

”حدیث دل“

ایک غیر مسلم کا ہدیہ عقیدت حضور سرور دو عالم ﷺ

”ایک صاحب کمال آیا، جس نے جلوۂ حق دکھایا، جس کسی نے اسے پریم کی آنکھوں سے دیکھا، اس کی تمنائے زندگی پوری ہو گئی، جس کی نگاہ شوق اس پر پڑی اسے منہ مانگی مراد مل گئی، جس بشر کو اس من موہن نے اپنا درشن دیا، اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا۔“ (رسول عربی ﷺ، ص ۲۱، جی سکھ وارا)

انتساب

سرورِ عالم ﷺ کے نام جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، اسی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آقا و جہاں احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ علیہ السلام کی ”خوشخبری و بشارت“ دیتے ہوئے آئندہ تمام انسانیت کے لیے ”وصیت“ فرمائی تھی، کہ:

”لیکن جب وہ یعنی روح الحق آئے گا تو وہ ساری سچائی کیلئے تمہاری ہدایت کرے

گا۔“ (مقدس پختا باب ۱۶ آیت ۱۳)

سرحدی لو تھرن چرچ مردان کے بشپ پیٹر مجید کا خط نو مسلم خالد محمود کے نام
محترم جناب خالد محمود صاحب!

خداوند کی سلامتی آپ کے ساتھ ہو (تاکہ آپ راہ حق کو پہچان سکیں اور حیات ابدی
کے وارث بن سکیں)!

آپ کی تالیف کردہ کتاب ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام“ مجھے لڑکتہ
سال ملی لیکن اپنی تعلیمی سرگرمیوں کی بناء پر میں اسکا مطالعہ نہ کر سکا۔ اب تعلیم مکمل
کرنے کے بعد میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑی جھجھکی سے کیا ہے اور اس نتیجہ پر
رسائی حاصل کی ہے کہ آپ کو ایک عدد خط تحریر کیا جائے۔

آپ جناب نے کم ظرفی کا اعلیٰ ترین ثبوت دیتے ہوئے محترم جناب پادری شمعون
ناصر کے خط کا جواب بڑے نئی بھونڈے، عجیب اور خط کے اصل متن سے کوسوں دور
اپنی اس تالیف کردہ کتاب میں دیا ہے۔ پادری شمعون ناصر نے انتہائی خوبصورتی اور
دلیری سے آپ کے بھیجے ہوئے پمفلٹ یا کتابچے (صلی علیہ وسلم و آتہ وسلم) کے
جواب میں آپ کے منہ قبول کردہ مذہب اسلام اور مسلم طرز حیات فی دور جدید کی
حقیقت کو عیاں کیا ہے، گو کہ آپ نے اس خط کا جواب تالیف کیا یا محمود اشرف عثمانی
صاحب سے کروایا، کیوں کہ آپ کے ماضی میں اگر جھانکا جائے تو آپ اس لائق نہیں
کہ آپ اس انداز تحریر جو کہ اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام میں ہے کو تحریر
کر سکیں، کیوں کہ یہ انداز تحریر خالصتا مفتی یا قابل مولوی صاحبان یا پیدائشی اور تعلیم
یافتہ مسلمان افراد استعمال کر سکتے ہیں۔ بحر حال آپ کی منافقت کی حقیقت کو جانتے
ہوئے بھی ہم اس کو آپ کا دل رکھنے کے لیے آپ کی تالیف تسلیم کرتے ہیں۔ چند

الفاظ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جس کا جواب آپ جناب یقیناً سطر بہ سطر یا کوئی نئی کتاب تالیف کریں گے یا کرائیں گے، میں دیکھ رہا ہوں کہ جناب نے اس وقت رنابقہ دیوان کا انچوڑا جناب آپ انہر و سکی مذہب سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپ کی مسیحیت سے ناواقفیت کا ثبوت ہی آپ کا خالہ محمود ہونا ہے۔ جس کا اظہار آپ نے خود ان الفاظ میں کیا ہے، کہ میں سیاہ کار و رونا کارہ شخص تھا۔ جہاں تک لفظ (فارقلیط) کی بات آپ نے کی ہے تو عرض جناب یہ ہے کہ مولانا کیرانوی یا مولانا قاضی امینی یا دیگر اسلامی دانشور حضرات اس لفظ کو بڑی ہی مہارت اور عیاری سے اپنے ہی پیرائے میں اور اپنے ہی تشریحی لباس میں زیب تن کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ اس لیے گواہش آپ سے یہ ہے کہ سابق پوبل کلمن صاحب، آپ خود اس لفظ کی حقیقت کو اسلامی رجحان سے بے کر اور تعلیمی سمندر میں غوطہ زنی کرتے ہوئے تحقیق و تیسر کی روشنی میں اس لفظ کی اصل ندرت و ماضیت تک رسائی حاصل کریں اور صرف (اسلام اور عیسائیت اور اظہار الحق) پر ہی مبنی نہ کریں تاکہ آپ پر چائی مشکف ہو اور بے مقصد اور فضول دلیلوں سے آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو روح القدس کی جگہ دینا چاہتے ہیں۔ تو ساتھ ہی آپ نے اپنے مذہب کی اصلی روح بھی میاں کر دی ہے کہ آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلاموں کے غلام ہیں، لیکن اسکے برعکس عیسیٰ علیہ السلام اپنے لوگوں کو غلام نہیں بناتے اور نہ ہی بنانا چاہتے ہیں۔

استفسار: آپ نے کتاب کی ضخامت اور قیمت کو بڑھنے کے لیے آپ جناب نے ایس کے داس کی کتاب "تاریخ کلیسیا" کو پورا نہیں تو کم از کم آدھے سے زیادہ اپنی تالیف میں انتہائی عمدہ اور شاندار طریقے سے لکھ ڈالا ہے۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات و سوالات: جناب سائیں یونیس
 کھمن صاحب! کیا آپ نے اسلامی تاریخ میں یہ نہیں پڑھا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ
 وسلم) تمام عمر ایسا ہی کرتے رہے کہ جس قوم کی تلاش میں نکلے اور اسے کمزور پایا تو ان
 کے قاتل کو لوٹ لیا اور تمام مال چھین کر ان کے آدمیوں میں سے جہاں تک ممکن ہو سکا
 قتل کیا، اور جسے زبردست پایا، اس سے دہشت گئے اور پیٹھ پھیر بھاگ گئے۔ حضرت
 محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ذات سے ۳۶ لڑائیاں لڑے اور چاروں جو راقوں کو ہکٹتے
 تھے اور سوار جو دن کو پھرتے تھے اور وہ حملے ہو کر لڑائیوں میں ہوئے اور آشت و خون بہا وہ
 اس سے الگ ہیں۔ تو پھر وہ کس طرح امن و سلامتی کے پیغامبر ہو سکتے ہیں؟
 کیا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کمزور آدمی کی طرف سے رحمت و مہربانی سے
 محبوب ہوئے؟ قرآن میں ان کے بارے میں کیا ہے؟
 کیا انہیں کوئی ذیوب و تناسب کہ وہ لوٹ کر ہیں اور لوگوں کا مال چھیننے کو راہوں پر جائیں
 اور گھیر لیں؟
 حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کون سی ایسی بات قزاقوں اور راہزمنوں کے لیے
 چھوڑ رکھی تھی؟
 یہ ایسے سوالات ہیں جو کہ اسلام کی اصل تصویر کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور جو لوگ
 آپ کی طرح اپنے لیے نیا مذہب اختیار کرتے ہیں ان کو ان کمزور اسلامی اقدار کا تو کچھ
 علم ہی نہیں ہوتا۔ ہم جیسے عالم دین یا مسیحی ان باتوں کو اس لیے منظر عام پر نہیں لاتے کہ
 ہم امن پسند ہیں جیسا کہ ہمارے یسوع مسیح نے فرمایا، اور ہم کسی قسم کا فساد نہیں چاہتے۔
 قرآن کی حقیقت و قوانین: آپ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی مصلوبیت کو

اپنی بیان کردہ قرآن کے مطابق، مسیحی عقیدہ کفارہ بلکہ نجات کے واحد راستے سے اور
 سچائی سے روپوشی ہے۔ میرے اس خط سے یقیناً آپ کا اسلام تو خطرے میں پڑ
 جائے گا، اور یقیناً عدالتوں کی گھنٹیاں بھی بجنے لگے گی۔ لیکن انجیل مقدس میں لکھا ہوا
 ہے ”جان دینے تک وفادار رہ تو میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا“ (مرکافہ ۴: ۱۰)۔
 آپ جناب نے انتہائی دانشمندی اور پوشیدہ انداز میں (اسلام کے خلاف پمفلٹوں پر
 عدالتوں سے رجوع کو دین اسلام کی تعلیم کا بہترین اصول اور ضابطہ کہہ کر) دھمکی بھی
 دے دی ہے اور اس کے پس منظر میں C-295 کا بے ایمانہ اور غلط قانون ہے۔
 پاکستان میں اقلیتوں اور بالخصوص مسیحیوں کیساتھ نا انصافیوں کا انتہائی منحوس، کالا اور
 افسوس ناک قانون کا بنایا جانا، درحقیقت اسلام کی مذہبی اقدار کا انتہائی کمزور ہونا ہے،
 کیوں کہ اگر اقلیتوں کو مکمل تبلیغی سرگرمیوں کی اجازت دے دی گئی تو آپ کے پلے کچھ
 نہیں رہے گا۔ اس لیے آپ حضرات فکر مند اور پریشان ہی کیوں کہ آپ اپنی اندرونی
 کیفیت سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے آپ بھی لگتی ہوئی ٹھوکر (C-295) سے
 اقلیتوں (بالخصوص مسیحیوں) کو تعصب، رنگ و نسل کا نشانہ بنا کر اپنی کمزور اسلامی اقدار
 کو ملک پاکستان میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

مذہبی جنون G-295 یعنی گستاخ رسول کے کالے قانون کا استعمال آج تک
 مسلمان بھائیوں نے صرف اپنے ذاتی و کاروباری رقابتوں اور اقلیتی بھائیوں کی ترقی کو
 تنزیل میں تبدیل کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، جس کو بڑی مکاری و بیاری سے اور
 مذہبی جنون و جوش کا نام دے کر، مسلمان بھائی اقلیتوں (بالخصوص مسیحیوں) کا قلع قمع
 کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ بقول آپ کے یورپین ممالک میں بھی ایسے

قوانین ہیں، لیکن آج تک وہاں کسی مسلمان سے ذاتی دشمنی کے لیے ان قوانین کا استعمال کی مثال نہیں ملتی یقیناً یورپ میں اخلاقی آزادی اور سیکولر ازم کے نام پر نجانے کیا کیا ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی ہر میدان میں کامیابی اور ترقی کسی سے پوشیدہ نہیں اس کی بنیادی وجہ ان کی مذہبی اقدار کی مضبوطی ہے، جس کو سہارا دینے کے لیے C-295 جیسے کالے قوانین اور بیساکھیوں کی ضرورت نہیں جیسا کہ اس ملک میں ہے۔

اس لیے جناب سابق پوسٹل کنڈن صاحب اگر واقعی آپ کو تبلیغ کرنے کا شوق ہے تو بات کرنے کے ساتھ سننے کا حوصلہ بھی رکھیں اور اس بات کو یاد رکھیں کہ.....
 ”تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیوں کر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا دوں؟ اے ریا کار پہلے اپنی آنکھ میں شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔“ (متی ۷: ۳-۵)

آپ اور آپ کے مدارس: اس ملک میں دینی مدارس اور اداروں کا فرض اور فعل یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ کمزور اسلامی اقدار کو ڈھانکنے کے لیے خود کوئی ضابطہ حیات وجود میں لاتے تاکہ امن اور سلامتی کی جانب یہ ملک کا مزین ہوتا لیکن اس کے برعکس یہ مدارس و ادارے اقلیتوں اور بالخصوص مسیحیوں کے خلاف تعصب کو ہوا دینے والی بھرپور کتب کو تحریر کرنے اور فسادات کو پھیلانے والا جہاد کا فلسفہ و جذبہ عوام میں غلط طریقے سے ابھارنے میں اپنی ساری توانیاں صرف کرنے میں مصروف ہیں جو کہ درحقیقت اسلام کے واضح پہلوؤں اور آئین کے ہی عین مطابق ہے۔

آخر میں امید ہے کہ آپ جناب وسعت دل سے اس کڑوے خط کی سچائیوں کو قبول

کرتے ہوئے اور اس خط کو تمام مین اشتعال دلانے کے لیے استعمال نہ کرنا۔
 پھر لے کر منظر سے کی دھڑکی کو قبول کرنا، یہ ٹھیک آپ اپنی مرضی کے مطابق وقت اور
 مقام کا تعین کریں اس مناظر کے میں مکمل مذہبی کے ساتھ واکل بازی کی اجازت ہے،
 تاکہ سرور ہوئے ہوئے آپ سچائی سے واقف ہوں جو کہ آپ کو آواز دے کر دے گی،
 دوسری صورت میں آپ میرے ای میل یا ویب سائٹ پر میرے ساتھ رابطہ کر سکتے
 ہیں تاکہ ہم تعصب کی معنی بیماری سے نجات حاصل کرتے ہوئے 295-C جسے
 کالے قوانین کا خاتمہ کے لیے فکر آواز اٹھائیں اور ایک دوسرے کے مذہب کی
 عزت کرتے ہوئے مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیں اور اس ملک میں اقلیت اور اکثریت
 مل جل کر یکساں طور پر بھائیوں کی طرح رہیں اور دوسروں کے لیے ایک مثال بنیں۔

بشپ پیٹر مجید

ناردرن ڈیوٹیس مردان چرچ آف پاکستان

ای میل: info@northerndiocesemardan.org

ویب سائٹ: www.northerndiocesemardan.org

پوشل ایڈریس: سرحدی کوئٹھن چرچ مردان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

التماس

معزز قارئین! بیشپ پیٹر جیڈ کا خط آپ پڑھ چکے، اب ملاحظہ ہو میری التماس،
اور وہ یہ کہ.....

جنوری ۱۹۹۵ء کے شروع میں ماہنامہ ”محقق“ (لاہور) کے مدیر اعلیٰ جناب کرنل
(ر) محمد ایوب خان صاحب نے اپنا تحریر کردہ کتابچہ بنام ”عیسیٰ علیہ السلام بزبان خود“
کے چند نسخے میرے نام اس غرض سے روانہ کئے تھے، کہ بحیثیت نو مسلم میں اس کتابچہ
کی کاپیاں جان پہچان رکھنے والے مسیحی لوگوں میں تبلیغی امداد پر تقسیم کر دوں، چھتیس
صفحہ پر مشتمل مذکورہ کتابچہ عیسائیت پر مختلف عنوانات پر اجمالی حیثیت سے ایک
اچھی اور عام فہم تحریر ہے۔ لہذا میں نے جان پہچان رکھنے والے مسیحیوں اور پاکستان
میں کراچی کی سطح پر کام کرنے والے ان عیسائی مشنری اداروں کو بھی یہ کتابچہ بذریعہ
ڈاک روانہ کر دیا، جن کو یہ احقر جانتا ہے۔

اس کتابچہ کی کچھ کاپیاں بچیں، تو کراچی میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے والے چند
عیسائی پادری جو مشنری بھی ہیں، ان کو بھی بذریعہ ڈاک یہ کتابچہ بھیج دیا، اس نیت کے
ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کی راہ کسی کو بھی دکھا سکتا ہے، چنانچہ جن عیسائی پادریوں کو یہ
کتابچہ بھیجا گیا تھا، چند دنوں بعد ان میں سے ایک عیسائی پادری شمعون ناصر صاحب
نے اس کتابچہ کے جواب میں دین اسلام اور اہل اسلام پر اعتراضات کرتے ہوئے

ایک خط میرے نام روانہ کیا۔

پادری شمعون ناصر کا خط پڑھکر دل میں تحریک پیدا ہوئی، کہ اس کا جواب لکھا جائے، چنانچہ انیس ۱۹ صفحات پر موصوف کے خط کا جواب لکھا، اور اس جواب کو لے کر حضرت مولانا اسلم شیخ پوری صاحب زید مجدہم کی خدمت میں پیش ہوا، تو انھوں نے ”ماہ نامہ الاشرف“ (کراچی) میں میرے ان انیس ۱۹ صفحات کے اس جواب کو ”ایک پادری کے خط کا جواب ایک نو مسلم کے قلم سے“ کے زیر عنوان دو سطحوں میں شائع کر دیا، مگر میرے دل میں خواہش رہی، کہ پادری شمعون ناصر صاحب کے خط کا جواب مزید تفصیلی لکھوں، لہذا محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ“ کے زیر عنوان پادری شمعون ناصر کے خط کا تفصیلی جواب لکھا، جو پہلے جامعہ فاروقیہ کے ترجمان ”الفاروق“ میں قسط وار شائع ہوتا رہا، اور اس کے بعد ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام“ ہی کے زیر عنوان ادارہ اسلامیات نے ماہ جنوری ۲۰۰۰ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا، میری اس کتاب کو شائع ہوئے آج تقریباً آٹھ دس سال کا عرصہ ہو چلا، اور اس عرصہ میں میری اس کتاب کے دو ایڈیشن بھی چھپ گئے، کتاب کی شروع اشاعت میں، میں یہ محسوس کرتا رہا، کہ شاید پادری شمعون ناصر صاحب اس حوالہ سے رابطہ کریں گے، مگر ایسا نہ ہوا، بلکہ ہوا تو صرف یہ ہوا، کہ اس آٹھ، دس سال کے عرصہ کے بعد پادری شمعون ناصر صاحب کی جگہ سرحدی لوتھرن چرچ مردان کے بشپ پیٹر مجید صاحب نے میری مذکورہ کتاب کا مطالعہ فرما کر مجھے دو ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک خط لکھا ہے، جو مجھے فروری ۲۰۰۹ء میں موصول ہوا ہے۔

مگر مجھے افسوس ہے کہ بشپ پیٹر مجید صاحب نے بھی اپنے سلف کی روش کو قائم

رکھتے ہوئے، میری تالیف کے مضمون یا اس کی کسی سطر سے تعرض نہیں فرمایا، مگر یہ کہ سرور دو عالم ﷺ کی ذات مقدس پر بے حقیقت الزام تراشیاں، اور قانون توہین رسالت (ﷺ) - 295 کو بے ایمانہ اور غلط قانون لکھنے کے ساتھ بشپ پیٹر مجید صاحب کا قلم حضرت مولانا رمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کو مغالطات لکھتا رہا۔ جیسا کہ اس کتاب میں موجود بشپ پیٹر مجید صاحب کے خط کو پڑھ کر منوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مجھے افسوس ہے، کہ پیٹر مجید صاحب عہدہ ”بشپ“ پر فائز ہونے کے باوجود اپنے خط کے محض دو صفحات کو ادبی چاشنی دینے سے محروم رہے، اور ان کی تحریر پڑھنے والوں کو مغالطہ آفرینی کے سوا کچھ نہ دے سکی، بہر حال بشپ صاحب کی خواہش کے مطابق ان کے خط کا جواب کتاب کی صورت حاضر خدمت ہے، اُمید ہے، کہ بشپ صاحب نظر انصاف سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

خالد محمود

سابق، یونیکل کندن

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جناب بشپ پیٹر مجید صاحب!

سلام علی من اتبع الهدی!

جناب بشپ صاحب! اس سے پہلے کہ میں آپ کے خط کے مکمل جواب کی طرف آؤں، مجھے اجازت دیجئے، کہ میں آپ کے خط کی ان سطروں کی طرف آؤں جس میں آپ مجھے مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ:

”یہ ایسے سوالات ہیں جو کہ اسلام کی اصل تصویر کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور جو لوگ آپ کی طرح اپنے لئے نیامذہب اختیار کرتے ہیں، ان کو ان کمزور اسلامی اقتدار کا کچھ علم ہی نہیں ہوتا۔“

بشپ صاحب! موجودہ عیسائیت سے بتوفیق الہی تابع ہو کر مذہب اسلام اختیار کرنے کے سلسلہ میں عرض ہے، کہ الحمد للہ ”دین اسلام“ کی بنیادی اساس کتاب اللہ یعنی قرآن مجید فرقان حمید ہے، اور اس کی عملی اور علمی تفسیر سرور دو عالم صلی اللہ اور آپ کی ”احادیث مبارکہ“ ہیں یعنی قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ ایک ایسے ”لازوال مجموعہ“ کا نام ہے، جو آئندہ قیامت تک کیلئے بنی نوع انسانیت کیلئے ”مکمل ضابطہ حیات“ اور ابدی کامیابی کی کنجی و قندیل اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے مرتب کردہ تمام سابقہ شریعتوں کا نچوڑ ہے اور مکمل ”دین مبین“ اور ”دین فطرت“ ہے۔

الحمد للہ دین اسلام اپنے اندر ایک ایسا نظم لئے ہوئے ہے، کہ اسکی ”پاکیزہ

تعلیمات“ کی روشنی میں گھر سے لے کر معاشرت اور حکومتوں کے احکامات مرتب شدہ ہیں، اور ان احکامات کا مکمل تعلق وحی الہی سے جڑا ہوا ہے، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، اور دیگر ظاہری اور باطنی عبادات، حقوق اللہ، حقوق العباد اور ان حقوق کی جتنی اقسام ہو سکتی ہیں، یا ہیں، دین اسلام علمی، عملی اور روحانی طور پر ان سب باتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

الحمد للہ تم الحمد للہ قرب قیامت اور آج کے اس پُر فتن دور میں بھی دین اسلام قرآن وحدیث کی بنیاد پر مکمل اور محفوظ دین متین ہے، یعنی ایسا دین عظیم جو قرآن کریم کی صورت ہادی اعظم رحمت للعالمین محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا، اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جاری ہوا، لہذا دین اسلام اپنی مضبوط بنیاد میں ایک عظیم الشان اور کامل و مکمل دین ہے، اور یہی وہ بات ہے، جسکو قرآن مجید فرقان مید بیان کرتا ہے، کہ:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا.

ترجمہ: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا۔“

مگر بشارت صاحب! آپ میں سے اکثر یہود و نصاریٰ بغض و حسد کی بنا پر ”دین اسلام“ اور سیرت طیبہ ﷺ پر اعتراضات کرتے ہیں، تاکہ وہ نو مسلم جو ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر دین اسلام قبول کر چکے ہیں، ایسے

نو مسلموں کو واپس ”کفر“ پر لے آئیں،

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا،

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ.

ترجمہ: ”(مسلمانو!) بہت سے اہل کتاب اپنے دلوں کے حسد کی بناء پر

یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پلٹا کر پھر کافر بنادیں،

باوجودیکہ حق اُن پر واضح ہو چکا ہے۔“ (سورہ بقرہ، آیت ۱۰۸)

اسی طرح ایک اور مقام قرآن کریم اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کے

عزائم کو بے نقاب کرتے ہوئے فرماتا ہے، کہ:

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَنفُسِهِمْ وَيَتَّبِعِيَ اللَّهُ إِلَا أَن يَشْمُ نُورُهُ وَلَوْ

كَرِهَ الْكَافِرُونَ، هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

إِنْ كَثُرَ مِنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَأْكُلُوا أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: ”یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے

بُجھا دیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے،

چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بُری لگے (آیہ ۳۲) وہ اللہ ہی تو ہے جس نے

اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اسے ہر دوسرے

دین پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو، (آیہ ۳۳)

۳۳ اے ایمان والو! (یہودی) اخبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت

سے ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ (سورۃ توبہ، آیت ۳۲، ۳۳)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ:

يُرِيدُونَ اَنْ يُطْفِئُوا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبِىَ اللّٰهُ اَلَا اَنْ يُثَمِّنَ نُوْرَهُ وَلَوْ كُفِّرُوا كُفْرًا هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلٰی الدِّیْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كُفِّرُوا كُفْرًا مَّشْرُكُوْنَ.

ترجمہ: ”یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کی تکمیل کر کے رہے گا، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بری لگے، (آیہ ۸) وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے، (آیہ ۹) چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بری لگے۔“ (آیہ ۹)

(سورۃ القف آیت ۸، ۹)

اور اوپر کی دو آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ: ”وہی تو ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے۔“

اس حوالہ سے حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام بہت پہلے ”بشارت و خوشخبری“ دیتے ہوئے آئندہ تمام انسانیت کیلئے ”وصیت“ فرما گئے تھے، کہ: ”لیکن جب وہ یعنی ”روح الحق“ آئے گا تو وہ ساری سچائی کیلئے

تمہاری ہدایت کرے گا۔“ (مقدس یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳)

اور جب حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت کے مطابق رحمت للعالمین علیہ السلام کوہ فرحان کی چوٹیوں سے جلوہ گیر ہوئے، تو ایک دفعہ پھر یہود و نصاریٰ اپنے بغض، حسد اور عناد کی بناء پر خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کے انکاری ہو گئے، قرآن کریم اس بارے میں فرماتا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ، وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ، الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ.

ترجمہ: ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول (ﷺ) کو (اسی طرح) پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور بلاشبہ ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو ضرور حق کو چھپاتی ہے حالانکہ وہ لوگ جانتے ہیں، کہ حق آپ (ﷺ) کے پروردگار کی طرف سے ہے۔“

(سورۃ البقرہ آیت، ۱۲۶)

”اس آیت میں حضور ﷺ کے بارے میں اہل کتاب کے عناد کا ذکر ہے کہ وہ اپنی کتابوں کی روشنی میں حق کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں، جس میں حضور ﷺ کی نبوت و رسالت اور بیت اللہ کا قبلہ ہونا بھی شامل ہے، تورات اور انجیل میں حضور ﷺ کے بارے میں جو نشانیاں آئی ہیں ان کی بنیاد پر وہ حضور ﷺ کی نبوت اور بیت اللہ کے قبلہ ہونے کو اپنے بیٹوں سے بھی بہتر جانتے ہیں لیکن ضد (Stubborn) اور عناد کی وجہ سے اسے نہیں مانتے۔“ (تفسیر روح القرآن، جلد اول صفحہ ۳۶۵)

لہذا بشپ صاحب! مذکورہ بالا آیات قرآنیہ کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا ذرا

مشکل نہیں، کہ آپ کا خط دین اسلام، سیرت الانبیاء ﷺ اور دین اسلام قبول کرنے والے نو مسلموں سے حسد، بغض اور عناد اور تنقید جمع مغالطات پر مشتمل ہے۔

اب آتا ہوں آپ کے خط کے تفصیلی جواب کی طرف۔

بشپ صاحب!

میری تالیف ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام“ جو درحقیقت پادری شمعون ناصر کے خط کا جواب ہے، کو پڑھکر جو خط آپ نے مجھے تحریر کیا ہے، مجھے حیرت ہوئی کہ ایک مسیحی پیشوا اور بشپ عہدہ پر فائز آدمی اپنی تحریری گفتگو میں ایسا انداز بھی اپنا سکتا ہے، جس کی اجازت کم از کم خود بائبل بھی نہیں دیتی،

”کسی کی بدگوئی نہ کریں۔ ٹکڑائی نہ ہوں بلکہ نرم مزاج ہوں اور سب آدمیوں کے

ساتھ کمال عیسیٰ سے پیش آئیں۔“ (طیلس باب ۳ آیت ۲)

دو صفحات پر مشتمل آپ کے خط کی ابتداء:

”محترم جناب خالد محمود صاحب!

خداوند کی سلامتی آپ کیساتھ ہو (تاکہ آپ راہ حق کو پہچان سکیں اور حیات ابدی کے وارث بن سکیں)!

آپ کی تالیف کردہ کتاب ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام“ مجھے گزشتہ سال ملی لیکن اپنی تعلیمی سرگرمیوں کی بناء پر میں اسکا مطالعہ نہ کر سکا۔ اب تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑی شہیدگی سے کیا ہے اور اس نتیجہ پر رسائی حاصل کی ہے کہ آپ کو ایک عدد خط تحریر کیا جائے۔

آپ جناب نے کم ٹلر فی کا اعلیٰ ترین ثبوت دیتے ہوئے محترم جناب پادری شمعون ناصر کے خط کا جواب بڑے ہی بھونٹے، عجیب اور خط کے اصل متن سے کوسوں دور اپنی اس تالیف کردہ کتاب میں دیا ہے۔ پادری شمعون ناصر نے انتہائی خوبصورتی اور دلیری سے آپ کے بھیجے ہوئے پمفلٹ یا کتابچے (مسیحی Evangelical بزبان خود) کے جواب میں آپ کے نئے قبول کردہ مذہب اسلام اور مسلم طرز حیات فی دور جدید کی حقیقت کو عیاں کیا ہے، گو کہ آپ نے اس خط کا جواب تالیف کیا یا محمود اشرف عثمانی صاحب سے کروایا، کیوں کہ آپ کے ماضی میں اگر جھانکا جائے تو آپ اس لائق نہیں کہ آپ اس انداز تحریر جو کہ اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ عليه السلام میں ہے کو تحریر کر سکیں، کیوں کہ یہ انداز تحریر خالصتا مفتی یا قابل مولوی صاحبان یا پیدائشی اور تعلیم یافتہ مسلمان افراد استعمال کر سکتے ہیں۔ بحر حال آپ فی منافقت کو جانتے ہوئے بھی ہم اس کو، آپ کا دل رکھنے کے لیے، آپ کی تالیف تسلیم کرتے ہیں۔ چند الفاظ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جس کا جواب آپ جناب یقیناً سطر بہ سطر یا کوئی نئی کتاب تالیف کریں گے یا کرائیں گے میں دیں گے۔“

بشپ صاحب! اس سلسلہ میں چند باتیں آپ کے لائق توجہ ہوں:

اول: یہ سچ ہے، کہ ردِ عیسائیت پر میری تحریری دینا کے ”ماخوذ“ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم مغفور اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم جیسے عظیم اور بابرکت حضرات ہیں، کیوں کہ علم و عمل میں یہ حضرات اپنی مثال آپ ہیں۔

دوم: مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پادری شمعون ناصر صاحب کے خط کے جواب

جیسے ادنیٰ کام کے لیے میں حضرت مولانا محمود اشرف صاحب زید مجدہم یا حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کو زحمت دوں، ان عظیم حضرات سے تو اللہ تعالیٰ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، فتاویٰ، اور لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت و اصلاح اور اسی طرح کے دیگر کئی اعلیٰ و عظیم اور بابرکت کام لے رہا ہے، تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں ایک مختصر اور ادنیٰ سے خط کے لیے ان حضرات کو زحمت دیتا پھیروں، وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ وہ خط شمعون ناصر پادری صاحب نے میرے نام لکھا تھا، تو جواب دینا دیکھنا بھی میرا کام ہے، ناکہ ان عظیم لوگوں کا۔

سوم: رہی بات حضرت مولانا محمود اشرف صاحب زید مجدہم سے شمعون ناصر پادری صاحب کے خط کے جواب کے سلسلہ میں ان سے کچھ لکھوانے یا تالیف کروانے والی بات، تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ پیئر صاحب! آپ اپنے اس خط میں میری کتاب ”اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام“ کے بارے میں یہ کہہ آئے ہیں، کہ: ”میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑی بنجیدگی سے کیا ہے“ مگر مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کی ”بنجیدگی“ سے میری کتاب کا صفحہ نمبر ۷ کیونکر ابھل رہا، کہ اس صفحہ پر ”پیش لفظ“ کے علاوہ پوری کتاب میں حضرت مولانا محمود اشرف صاحب کا لکھا ہوا ایک لفظ موجود نہیں لیکن اس حقیقت پر آپ کو یقین کی کیفیت اس لئے بھی حاصل نہیں، کہ آں جناب کے نزدیک معیار میرا ”ماضی“ ہے، جیسا کہ آپ نے میرے بارے میں ارشاد فرمایا ہے، کہ:

”کیوں کہ آپ کے ماضی میں اگر جھانکا جائے تو آپ اس لائق نہیں کہ آپ اس انداز

تحریر جو کہ اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام میں ہے کو تحریر کر سکیں، کیوں کہ یہ

انداز تحریر خالصتاً مفتی یا قابل مولوی صاحبان یا پیدائشی اور تعلیم یافتہ مسلمان افراد

استعمال کر سکتے ہیں۔“

یہ تو آپ کی مہربانی ہے، کہ آپ نے کس نفسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف میرے ”ماضی“ کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے، اچی جناب! مجھے غبی کے ”ماضی“ و ”حال“ کو تو رکھیں ایک طرف، یہ تو بتوفیق الہی ”عقیدہ کفارہ اور عقیدہ تثلیث“ سے تائب اور ”دین اسلام“ لانے کی برکت ہے، کہ میری تالیف۔ (اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) باوجود کج منج ہونے کے آپ سے ”تعلیم یافتہ مسلمان“ اور ”مولوی اور مفتی“ کے ”انداز تحریر“ کی ”سند“ پاتی ہے،

اب آپ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ اگر یہ تالیف یا تحریر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب یا حضرت مولانا محمود اشرف صاحب زید محمد حم زب قرطاس فرماتے، تو وہ کس قدر بلند پایہ اور علم سے بھرپور ہوتی، اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں، آپ اپنے خط کے اگلے حصہ میں فرماتے ہیں:

”سابقہ ادیان کا نچوڑ: جناب آپ ضرور دینی مذہب سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپ کی مسیحیت سے ناواقفیت کا ثبوت ہی آپ کا خالد محمود ہوتا ہے۔ جس کا اظہار آپ نے خود ان الفاظ میں کیا ہے، کہ میں سیاہ کار اور ناکارہ شخص تھا۔ جہاں تک لفظ (فار قلیط) کی بات آپ نے کہ ہے تو عرض جناب یہ ہے کہ مولانا کیرانوی یا مولانا تقی عثمانی یا دیگر اسلامی دانشور حضرات اس لفظ کو بڑی ہی منافقت اور عیاری سے اپنے ہی پیرائے میں اور اپنے ہی تشریحی لباس میں زیب تن کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ اس لیے گزارش آپ سے یہ ہے کہ سابق یونیکل کندن صاحب، آپ خود اس لفظ کی حقیقت کو

دوں بلکہ ان کے عقائد باطلہ کی نفی بھی کروں۔ چنانچہ اہل اسلام کی جانب سے رو عیسائیت کی کتب کی تلاش نے مجھے مناظرے اسلام حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی مرحوم و مغفور کی کتاب ”اظہار الحق“ اور ”انجاز مسوی“ سے جا ملایا۔ یہ وہی رحمت اللہ کیرانوی مرحوم و مغفور ہیں کہ جن کی تصانیف کے بارے میں حضرت مولانا سید انوار شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ:

”اللہ مولوی رحمت اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کی کتابیں عقائد اسلامیہ کے تحفظ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ خدا نخواستہ وقت پڑنے پر ہمارے علماء کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“

”میں مسلمان کیوں ہوا“ میں جگہ میں یہ بھی عرض کر آیا ہوں، کہ:

”ان ہی دنوں یہاں عیسائی ہستی میں میری جن لوگوں سے واقفیت ہوئی تھی۔ ان میں سے میرے بالکل سامنے والے گھر میں جو تین بھائی عیسائی رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے یہ معلوم کرنے کے بہانے کہ میں عیسائی سے مسلمان کیوں ہوا تھا، مذہبی بحث شروع کر دی۔ میں ان دنوں صرف اور صرف اسلامی معلومات کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ مذہبی بحث کے دوران جو سوالات ان لوگوں نے اسلام کے خلاف کئے اور تثلیث پرستی کے حق میں کئے تھوڑی بہت معلومات کے تحت میں نے ان سوالات کے جوابات دیئے۔ اللہ کا کرم ایسا ہوا کہ انہی دنوں میں کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس کتاب کے آخر میں چند کتابوں کی فہرست چھپی ہوئی نظر سے گزری۔ اس فہرست میں موجود حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ”عیسائیت کیا ہے“ تھی۔ اسی کتاب کے مطالعے سے پتہ چلا کہ رو عیسائیت پر ایک تین جلدوں والی کتاب ”اظہار

الحق“ (بائبل سے قرآن تک) حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم مغفور کی لازوال اور بے مثال کتاب بھی ہے۔“ (اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام)

ص ۲۰۲، ۲۱

میرے قبول اسلام کی روداد کے ان دو اقتباسات کے ملاحظہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مسیحیت سے میری ناواقفیت اور واقفیت کی کیا وجوہات ہو سکتی تھیں، ورنہ سچی بات ہے کہ دین اسلام کے قبول کے بعد میں اسی ڈگر پر گامزن تھا کہ قبول اسلام کے بعد مجھ پر عملی طور سے جو فرائض و واجبات بنتے ہیں، ان کو سیکھو اور پڑھو، اور اپنی روحانی جستجو و تسکین کے لیے، اللہ تعالیٰ شانہ کی ”آخری کتاب“ قرآن مجید فرقان حمید اور خاتم الانبیاء آقا دو جہاں نبی کریم ﷺ کی سیرت و احادیث اور حیات صحابہ کرام رضوان اللہ کا مطالعہ کرتا رہوں، مگر میرے قبول اسلام اور دین اسلام پر مسیحی برادری کے اعتراضات نے تنگ آمد، جنگ آمد کے مصداق مجھے دھیسائی کی کتب کے مطالعہ پر بھی مجبور کر ڈالا، ورنہ میری خواہش یہی رہی اور ہے، کہ میں اسلامی موضوعات پر لکھوں پڑھوں، اور اسلام پر مسیحی پادری صاحبان کے جس قدر فضول اور بے فنی مناظرے اور مناقشے ہیں ان سے دور رہوں، ایک تو اس لیے بھی کہ ان کی حقیقت کچھ نہیں اور دوسرا یہ کہ دین اسلام، آقا دو جہاں احمد مصطفیٰ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ پر مسیحی پادری جو، جو اعتراض کرتے آئے ہیں، ان سب کے جوابات حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا آل حسن مہانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر علماء کرام مکمل طور پر حجت اتمام کے ساتھ دے آئے ہیں، فی زمانہ حضرت مولانا بشیر احمد حسینی صاحب زید مجدہم، مولانا محمد اسماعیل عارفی صاحب،

حضرت مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب زید مجدہم، سربراہ ”مرکز تحقیق اسلامی“ لاہور، عیسائیت تجزیہ و مطالعہ کے مصنف جناب رافیل پروین ساجد میر صاحب اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم رومی عیسائیت پر کسی تعارف کے محتاج نہیں، خصوصاً حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”اظہار الحق“ المعروف ”بائبل سے قرآن تک“ اور ”اعجاز عیسوی“ کی جس اہتمام سے اشاعت کی ہے، اور ”اظہار الحق“ پر ”عیسائیت کیا ہے؟“ کے زیر عنوان جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے، وہ کسی بھی حق کے مثلاًشی مسیحی دوست کو ”راہ حق“ دکھا سکتا ہے، اور یہی وجہ ہے، کہ منصب ”بشپ“ پر فائز ہونے کے باوجود آپ نے دیگر اسلامی دانشوروں سمیت حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے لیے ”منافقت“ اور ”عیاری“ جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے،

کیا؟ ایک ”بشپ“ جو مسیحی عوام الناس کا مذہبی راہنما اور مقتدا ہو، اور جو بائبل کے اس حکم کو جانتے ہوئے، کہ

”لیکن اب تم بھی ان سب کو یعنی غوضہ اور قبر اور بدخواہی اور بدگوئی اور منہ سے گالی بکنا چھوڑ

دو۔“ (کلیسیوں باب ۲ آیت ۸)

کیا؟ یہ جائز اور رواء ہے کہ وہ ”بدگوئی“ اور ”گالی بکنا“ حالانکہ اپنے خط میں آپ نے ”امن اور سلامتی“ ”مذہبی ہم آہنگی“ اور ”پُر امن“ جیسے و فربہ الفاظ کا استعمال فرمایا ہے۔ اور اپنے اسی خط میں آپ نے اہل اسلام کے لیے ”مکاری“ و ”عیاری“ ”بھونڈے“ اور ”منافقت“ جیسے الفاظ کا ذخیرہ جمع کیا ہے، اب دیکھ لیں، کہ

کہاں آپ کی ”امن و سلامتی“ کی باتیں اور کہاں عیاری و مکاری، بھونڈے اور منافقت جیسے الفاظ، بشپ صاحب! کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے، کہ آپ کے مذکورہ بالا الفاظ آپ کے ”امن و سلامتی“ والے ”فارمولے“ کی چغلی کھارہے ہیں،؟ رہی میری ”مسیحیت سے ناواقفیت“ والی بات تو جناب بشپ صاحب! آپ جناب! مجھے جس مسیحیت سے واقف کرانا چاہتے ہیں، اس مسیحیت سے میری ناواقفیت ہی میرے حق میں بھل ہے، خصوصاً اس حوالہ سے بھی کہ موجودہ مسیحیت پولس صاحب کے ”نظریات و افکار“ کے مجموعہ کا نام ہے، اور یہ بات میں خود نہیں کہتا بلکہ جناب آرٹنڈ میر صاحب اپنی کتاب

”Jesus or Paul“ صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳ پر فرماتے ہیں:

”If Christianity we understand faith in Christ the heavenly son of God who did not belong to earthly humanity, but who lived in the divine likeness and glory, who came down from heaven to earth, who entered into humanity and look upon Himself a human form that He might make propitiation for men's sin by His own blood upon the cross, who was then awakened from death and raised to the right hand of God as the lord of His own people, who now intercedes for those who believe in Him, hears their

prayers, guards and leads them, who moreover, dwells and works personally in each of those who believe in Him, who will come again with the clouds of Heaven to judge the world, who will cast down all the foes of God, but will bring His own people with Him into the home of heavenly light so that they may become like unto His glorified body- if this is Christianity, then such Christianity was founded principally by St. Paul and not by our Lord."

"اگر ہم عیسائیت کا مطلب مسیح پر (اس طرح) ایمان سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کا آسانی بیٹا ہے جو زمینی انسانوں میں سے نہ تھا بلکہ خدائی صورت اور شان میں رہتا تھا۔ (پھر) وہ آسمان سے زمین پر اتر آیا اور انسانی شکل اختیار کی تاکہ وہ صلیب پر اپنے خون کے ذریعہ لوگوں کے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ جسے پھر موت سے جگا کر اٹھایا گیا اور ماننے والوں کے خداوند کے طور پر خدا کے دائیں ہاتھ بٹھایا گیا۔ جو اب خود پر ایمان رکھنے والوں کی شفاعت کرتا ہے ان کی دعا میں سنتا ہے ان کی حفاظت اور رہنمائی کرتا ہے۔ علاوہ یہی اپنے آپ پر یقین کرنے والوں میں سے ہر ایک کے اندر ذاتی طور پر رہتا اور کام کرتا ہے جو دنیا کا انصاف کرنے کے لیے آسمان کے بادلوں کے ساتھ دوبارہ آئے گا جو خدا کے سب دشمنوں کو گرائے گا مگر اپنے لوگوں کو اپنے ساتھ آسمانی نور کے گھر لے جائے گا تاکہ وہ اس کے معظم بدن کی طرح بن

جائیں۔ اگر یہ عیسائیت ہے تو ایسی عیسائیت کی بنیاد زیادہ تر مقدس پولس نے رکھی تھی
 نہ کہ ہمارے خداوند (مسیح) نے۔“

(Arnold Meyer: Jesus or Paul? pp.122-123)

لفظ ”فارقلیط“ کے حوالہ سے آپ فرماتے ہیں کہ:

”جہاں تک لفظ (فارقلیط) کی بات آپ نے کی ہے تو عرض بننا یہ ہے کہ مولانا
 کیرانوی یا مولانا تقی عثمانی یا دیگر اسلامی دانشور حضرات اس لفظ کو بڑی منافقت اور
 عیاری سے اپنے ہی پیرائے میں اور اپنے ہی تشریحی لباس میں زیب تن کرتے ہوئے
 پیش کرتے ہیں۔ اس لیے گزارش آپ سے یہ ہے کہ سابق یونیکل کندن صاحب،
 آپ خود اس لفظ کی حقیقت کو اسلامی رکاز رزے کے علم کو اور تعلیمی سمندر میں غوطہ زنی
 کرتے ہوئے تحقیق و تفسیر کی روشنی میں اس لفظ کی اصل مابیت و ماخذ تک رسائی
 حاصل کریں اور صرف (اسلام اور عیسائیت اور اٹلہ دارالحق) پر مبنی تکیہ نہ کریں تاکہ آپ
 پر سچائی منکشف ہو اور بے مقصد اور فضول ویلیوں سے آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ
 وسلم) کو روح القدس کی جگہ دینا چاہتے ہیں۔ تو ساتھ ہی آپ نے اپنے نئے مذہب کی
 اصل روح بھی عیاں کر دی ہے کہ آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تلامذوں
 کے غلام ہیں، لیکن اسکے برعکس عیسیٰ ﷺ اپنے لوگوں کو غلام نہیں بناتے اور نہ ہی
 بنانا چاہتے ہیں۔“

بشپ صاحب! لفظ ”فارقلیط“ (ϕαρισαί) کے بارے میں آپ نے مجھے جو تحقیق
 و تفسیر کی روشنی میں اس لفظ کی اصل مابیت و ماخذ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جو
 مشورہ عنایت فرمایا ہے، اس مشورہ کا بہت بہت شکریہ،

مگر اس کی تحقیق و تفسیر اور اس لفظ کو اپنے ہی انداز سے جو تشریحی لباس مسیحی دنیا نے زیب تن کرایا ہے، اس کی حقیقت بھی سن لیجئے، تو آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا، کہ جو گراں قدر مشورہ آپ نے مجھے عنایت فرمایا ہے، وہ کس قدر حقیقت پر مبنی ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”اہل کتاب خواہ اگلے ہوں یا پچھلے، ان کی یہ عام عادت ہے کہ وہ اپنے تراجم میں ناموں کا بھی ترجمہ کرتے ہیں، اور اصل ناموں کے عوض میں ان کے معانی بیان کرتے ہیں یہ بڑا بھاری خطہ ہے، جو تمام خرابی کی بنیاد ہے، کبھی کبھی تفسیر کے طور پر اس کلام میں جو ان کے نزدیک خدا کی کلام ہے، اپنی جانب سے کچھ بڑھا دیتے ہیں، اور دونوں میں امتیاز کے لیے کسی قسم کا اشارہ بھی نہیں کرتے، یہ دونوں چیزیں تقریباً ان کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہیں، اور جو شخص ان کے مختلف زبانوں میں پائے جانے والے ترجموں میں غور کرے گا اس کو ہمارے اس دعوے کے بہت سے شواہد مل سکتے ہیں۔ ہم بھی نمونہ کے طور پر اس مقام پر کچھ نقل کرتے ہیں۔“

(ہائیل سے قرآن تک، ص ۲۰۶، ۲۰۷)

پھر ایک اور مقام پر مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”اعلام و اسماء اور ناموں کا ترجمہ کر دینا یا ان کو دوسرے الفاظ میں تبدیل کر دینا یا اپنی جانب سے تفسیروں کا الحاق، یہ ان کے اگلوں پچھلوں سب کی جبلی خصلت ہے، یہ کوئی بعید نہیں کہ ایسے لوگ حضور ﷺ کے ناموں میں سے کسی نام کا ترجمہ کر ڈالیں، یا کسی دوسرے لفظ سے بدل دیں، یا تفسیر کے طور پر بڑھا دیں، یا بغیر تفسیر ہی کوئی چیز ایسی بڑھا دیں جس کی موجودگی میں بظاہر استدلال کرنے میں خلل اور کھٹکت پڑ جائے۔“

اور ظاہر بات ہے کہ یہ تحریف و ترمیم کا اہتمام عیسائیوں نے جس قدر مسلمانوں کے خلاف کیا ہے وہ خود اپنے مخالف فرقوں کے خلاف تحریف کے اہتمام سے کہیں زیادہ ہے۔“ (بائبل سے قرآن تک، ص ۲۲۱، ۲۲۲)

اور اس کے حاشیہ پر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں کہ:
 ”یعنی یہ بات ثابت ہے کہ عیسائیوں نے خود اپنے بعض فرقوں کا رد کرنے کے لیے بائبل میں تحریفیں کی ہیں تو مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تو اس قسم کی تحریفیں یقیناً زیادہ کی گئی ہوں گی۔“ (بائبل سے قرآن تک، ص ۲۲۲)

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے قلم سے نکلے ہوئے یہ وہ مذکورہ بالا حقائق ہیں کہ جن کی شہادت پروفیسر بارٹ ڈی ہرمن اپنی کتاب "MISQUOTING JESUS" میں بھی دے رہے ہیں، پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ:

”چند حوالوں سے جن تبدیلیوں کا ہم نے جائزہ لیا، عہدِ نئے جدید کے ابتدائی مسودوں کی عبارت کی تلاش کرتے ہوئے انہیں پہچانا اور ان کا تذکرہ کرنا آسان ہے۔ لیکن جان بوجھ کر کی گئیں تبدیلیوں کی پہچان مشکل کام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ یہ تبدیلیاں جان بوجھ کر کی گئی تھیں لہذا انہیں اس طرح کیا گیا تھا کہ یہ جملے میں غیر مناسب نہ محسوس ہوں۔ چوں کہ یہ تبدیلیاں مناسب ہیں لہذا کوئی نہ کوئی ناقد ایسا ضرور ہوگا جو اصرار کرے گا کہ اس سے زیادہ مناسب لفظ ہو ہی نہیں سکتا..... یعنی اس کا استدلال ہوگا کہ یہ جان بوجھ کر کی گئی تبدیلیاں نہیں بلکہ اصل ہیں۔ یہ تاثر عہدِ نئے سمجھنے والے اسکالروں، کہ مقدس متون میں تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور یہ سمجھنے والے اسکالروں،

کہ مقدس متن کسی تبدیلی سے محفوظ رہا ہے، کے درمیان کانٹیں۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ مقدس متن بدلا جا چکا ہے لہذا سوال اگر ہے، تو یہ کہ کون سی عبارت تبدیل شدہ ہے اور کون سی ایسی ہے جسے ممکن حد تک ابتدائی ترین سمجھا جاسکتا ہے۔ اور یہی وہ مسئلہ ہے جس پر اسکالروں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔“

(ترجمہ: نظرا محمد روزنامہ ”امت“ کراچی، مئی 28، مارچ 2006ء)

بشپ پیٹر مجید صاحب! اُپر مذکور ان شہادتوں کو نظر عدل سے ملاحظہ فرما کر آپ خود ہی انصاف کیجئے، کہ بائبل مقدس کے ترجموں اور اصل متن میں اس قدر تحریف و ترمیم کر دی گئی ہو، کہ اصل ناموں تک کے ترجمے کر کے نبی کریم ﷺ کی ”آمد مبارکہ“ کی ”بشارت“ کو مسیحی پادری صاحبان ”روح القدس“ پر چسپاں کرتے ہوں، تو مجھے ایسی جسارت سے معاف رکھیں کہ میں اسلامی اسکالرز (حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم) سے ہٹ کر اور نہ جانے کون سے نام نہاد تعلیمی سمندر میں غوطہ زنی کرتے ہوئے لفظ فارقلیط کی تحقیق و تفسیر کرتا پھیروں، کیوں کہ ایسی تحقیق و تفسیر جو علماء اہل اسلام سے ہٹ کر ہو وہ لازمی طور پر خاتم النبیین ﷺ پر ایمان و یقین کے منافی ہوگی، اور حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کے ان ارشادات کے خلاف ہوگی، جو وہ اپنے رفع آسمانی سے پہلے آئندہ تمام انسانوں کے لیے سید الانبیاء احمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد مبارک کی ”خوشخبری“ وصیت کے طور پر تاکید ارشاد فرمائے ہیں کہ:

”لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ

جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج

دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستہ بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم انکی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی چائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام چائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔“ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۷ تا ۱۳)

خاتم النبیین احمد و محمد ﷺ کے بارے حضرت مسیح علیہ السلام کے مذکورہ بالا بشارتی اور کھلے ہوئے الفاظ کے بعد آپ کے اس جملہ ”اور بے مقصد اور فضول دلیلوں سے آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو روح القدس جگہ دینا چاہتے ہیں۔“ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے، اور جن حقائق کو آپ ”بے مقصد اور فضول دلیلیں“ بتلا رہے ہیں، ان کی بنیاد حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ اور ارشادات ہیں، اب یہ آپ ہی کی ہمت اور حوصلہ ہے، کہ آپ اُن حقائق کو بے مقصد اور فضول دلیلوں کا نام دیں، اور اس پر بھی آپ کا کمال یہ، کہ اپنے خط میں جہاں آپ نے دیگر الزامات کے ثبوت کے لیے کوئی حوالہ یا دلیل دینا پسند نہیں فرمایا، یہاں بھی آپ نے بے مقصد اور فضول دلیلوں کے بارے میں کسی اسلامی یا کم از کم مسیحی تحریرات کا حوالہ دینے کی زحمت نہیں فرمائی۔

لیکن میں یہاں اس موقع پر لفظ فارقلیط (فارقلیط) کے سلسلہ سے دو چار باتیں باحوالہ عرض کرنا چاہوں گا، لفظ فارقلیط کے بارے میں حضرت مولانا رحت اللہ کیرانوی صاحبؒ نے اپنی کتاب اظہار الحق جلد سوم میں اوپر مذکور یوحنا باب ۱۶ کی

بشارت پر مختلف عنوانات سے دلائل دیئے ہیں، ایک مقام پر حضرت کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”ان عباراتوں سے استدلال کرنے سے پہلے ہم دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے

ہیں، پہلی تو یہ کہ آپ تمہید کے ساتویں امر میں معلوم کر چکے ہیں کہ اہل کتاب اگلے

ہوں یا چھپے عمدًا اسماء اور ناموں کا ترجمہ کرنے کے عادی ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام

طبرانی زبان بولتے تھے نہ کہ یونانی، اس کے بعد اس بات میں کوئی بھی شک باقی نہیں

رہتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس شخص کی تشریف آوری کی بشارت دی

تھی، چوتھے انجیل نے اس کے نام کا اپنی عادت کے مطابق یونانی میں ترجمہ کر ڈالا۔

پھر عربی ترجمہ کرنے والوں نے یونانی لفظ کو معرب کر کے فارقلیط بنا دیا، ہم کو ایک

اردو رسالہ جو کسی پاوری کا لکھا ہوا ہے ۱۹۶۸ء میں ملا جملہ کلمات میں طبع ہوا تھا، اور جس

میں لفظ فارقلیط کی تحقیق کی گئی تھی، اس کے مؤلف نے دعویٰ کیا تھا کہ ہمارا مقصود اس

رسالے کی تحریر سے مسلمانوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو فارقلیط کے لفظ سے پیدا

ہوئی ہے، اس کے بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ:

”یہ لفظ یونانی لفظ سے عربی بنایا گیا ہے، لہذا اگر ہم یہ فرض کریں کہ اصل یونانی لفظ

”پاراکلیطس“ ہے تو اس کے معنی معین و مددگار اور کارساز و وکیل کے ہیں، اور اگر یہ کہا

جائے کہ اصل لفظ ”پیرکلوٹس“ ہے تو پھر اس کے معنی ”محمد“ اور ”احمد“ کے قریب

ہو جاتے ہیں، علماء اسلام میں سے جس کسی نے اس بشارت سے استدلال کیا ہے، یہ

ہی سمجھ کر کیا ہے کہ اصل لفظ ”پیرکلوٹس“ ہے جس کے معنی ”محمد“ اور ”احمد“ کے معنی

کے قریب ہیں، اس لیے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ”محمد“ اور ”احمد“

کی پیش گوئی کی ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ پارا کلی طوس ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں میں بہت ہی معمولی فرق ہے، کیوں کہ یونانی حرف آپس میں بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں، اس لیے ”پیرکلو طوس“ کسی نسخہ میں ”پارا کلی طوس“ سے بدل گیا، پھر عیسائی حضرات نے اس نسخہ کو دوسرے نسخوں پر ترجیح دینی شروع کر دی، اور جو شخص بھی اس کتاب کے باب ۲ اور مسلک نمبر ۶ کے اس نمبرے میں انصاف کی نگاہ سے غور کرے گا وہ یقینی طور پر مان لے گا کہ اس قسم کی چیز دیدار عیسائیوں سے کچھ بھی بعید نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے کہ ان کے یہاں اس کو مستحسن اور بہتر شمار کیا جاتا ہو۔“ (انہار الحق، جلد سوم، ص ۳۲۲ تا ۳۲۵)

اور اس جگہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے حاشیہ کو بھی نقل کر لیا جائے تو بات بہت ہی واضح ہو جاتی ہے، آپ حضرت مولانا کیرانوی صاحب کے دلائل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”گویا مصنف کا دعویٰ یہ ہے کہ اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنے والے کالے نام ”احمد“ ذکر کیا تھا لیکن چون کہ عہد قدیم و جدید کے مصنفوں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ کر ڈالتے ہیں اس لیے انہوں نے یونانی زبان میں لفظ ”احمد“ کا ترجمہ ”پیرکلو طوس“ سے کر دیا، عربی مترجمین نے اس لفظ کو معرب کر کے ”فارقلیط“ بنا دیا۔“ (بائبل سے قرآن تک، ص ۳۲۴)

اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس تنبیہ کے بعد اب ہماری گزارش یہ ہے کہ وہ اصل عبرانی لفظ جو عیسیٰ علیہ السلام

نے کہا تھا قطعی معدوم ہے، اور جو یونانی لفظ موجود ہے وہ صرف ترجمہ ہے، مگر ہم اصل لفظ کی بحث کو چھوڑتے ہوئے اس یونانی لفظ ہی پر بحث کرتے ہیں، کہ اگر اصل یونانی لفظ ”پیرکلوٹوس“ ہے، تب تو ظاہر ہے کہ یہ مسیح کی بشارت محمد ﷺ کے حق میں ایسے لفظ کے ساتھ دی گئی ہے جو ”محمد“ و ”احمد“ کے قریب قریب ہم معنی ہے، یہ چیز اگرچہ عیسائیوں کی عام عادت کے پیش نظر قرین قیاس ہے، مگر ہم اس احتمال کو چھوڑتے ہیں، کیوں کہ اس صورت میں مخالفین پر پورے طور پر حجت قائم نہ ہو سکے گی، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ چلیے آپ ہی کا دعویٰ کہ اصل یونانی لفظ ”پاراکلیٹوس“ ہے، اگر مان لیا جائے تب بھی ہمارے استدلال کے لیے مضرت نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس کے معنی ”منسوب کیا گیا“ اور ”مددگار“ اور ”وکیل“ کے ہیں، یا پھر اس کے معنی ”سفاشر کرنے والا“ جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں موجود ہے، اور یہ سب اوصاف محمد ﷺ پر پورے پورے صادق آتے ہیں۔“ (بائبل سے قرآن تک، ص ۳۲۸)

بشپ صاحب! ان حقائق کو پڑھ لینے کے بعد آپ خود ہی فرمائیں، کہ لفظ فارقیطیہ کی تحقیق و تفسیر میں، مجھے مزید کسی تعلیمی سمندر میں غوطہ زنی کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے، وہ بھی ایسی صورت میں جب بائبل کے مترجمین نے آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی ”احمد“ کو ”پیرکلوٹوس“ اور فارقیطیہ سے بدل ڈالا ہو۔

اپنے خط میں آپ مزید فرماتے ہیں کہ:

”آپ نے اپنے نئے مذہب کی اصل روح بھی عیاں کر دی ہے کہ آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلاموں کے غلام ہیں، لیکن اسکے برعکس عیسیٰ ﷺ

اپنے لوگوں کو غلام نہیں بناتے اور نہ ہی بنانا چاہتے ہیں۔“

بشپ پیٹر جمید صاحب! آقا دو جہاں نبی کریم ﷺ کے غلاموں کے غلام ہونا بڑی خوش بختی اور سعادت کی بات ہے، ورنہ بائبل تو لوگوں کو بلا واسطہ حضرت مسیح علیہ السلام کا غلام بتلاتی ہے،

”کیوں کہ جو شخص غلامی کی حالت میں خداوند میں بلایا گیا ہے وہ خداوند کا آزاد کیا

ہوا ہے اسی طرح جو آزادی کی حالت میں بلایا گیا ہے وہ مسیح کا غلام ہے۔“

(کرنٹیوں اول باب ۷ آیت ۲۲)

آپ اپنے خط میں لکھتے ہیں:

”آپ نے کتاب کی ضخامت اور قیمت کو بڑھانے کے لیے آپ جناب نے ایس

کے داس کی کتاب ”تاریخ کلیسیا“ کو پورا نہیں تو کم از کم آدھے سے زیادہ اپنی تالیف

میں انتہائی عمدہ اور شاندار طریقے سے لکھ ڈالا ہے۔“

بشپ صاحب! اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ایس کے داس صاحب نے ”تاریخ

کلیسیا“ پاکستان، ”میں، پاکستان میں“ مسیحی مشنریوں کے مکمل عزائم اور ان مشنریوں کی

تبلیغی سرگرمیوں پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، نیز ان مسیحی مشنریوں کے عزائم اور تبلیغی

حقائق اگر میں کسی مسلمان عالم یا دانشور کی کتاب سے لکھتا تو یقیناً آپ انہیں بھی جھڑپتے

اور بہت ممکن تھا کہ ایسے مسلمان مصنف کو آپ ”عیار“ و ”منافق“ جیسے خطابات سے نواز

ڈالتے، جیسا کہ آپ کے اس خط سے بھی عیاں ہے، لہذا اس بناء پر یہی ٹھیک بات تھی، کہ

مسیحی مشنریوں کی کارگزاریوں کو مسیحی مصنف ایس کے داس صاحب کی زبانی ہی لکھا پڑھا

جائے، تاکہ ”سند“ رہے،

اور اس حوالے سے وہ مسلمان مصنفین جنہوں نے پاکستان میں عیسائی یا مسیحی

مشنریوں کے بارے میں لکھا ہے، آپ کی مغالطات سے محفوظ رہیں۔

”حضرت محمد ﷺ کی حیات و سوالات“، اس عنوان کے ذیل میں آپ اپنے

خط میں لکھتے ہیں کہ:

”جناب سابق یوٹیل کنڈن صاحب! کیا آپ نے اسلامی تاریخ میں یہ نہیں پڑھا کہ

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام عمر ایسا ہی کرتے رہے کہ جس قوم کی تلاش میں

نکلے اور اُسے کمزور پایا تو اُن کے قافلے کو لوٹ لیا اور تمام مال چھین کر انکے آدمیوں

میں سے جہاں تک ممکن ہو سکا قتل کیا، اور جسے زبردست پایا، اس سے دب گئے اور

بڑے پھیر بھاگ گئے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ذات سے ۳۶ لڑائیاں

لڑے اور چالیسوں جو راتوں کو نکلے تھے اور سارا جو دن کو پھرتے تھے اور وہ حملے جو

۹ لڑائیوں میں ہوئے اور شہادت و خون بہا وہ اس سے الگ ہیں۔ تو پھر وہ کس طرح

امن و سلامتی کے پیامبر ہو سکتے ہیں؟

کیا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گروہ آدم کی طرف سے رحمت و مہربانی سے

محبوب ہوئے؟

کیا نبیوں کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ لوٹ کریں اور لوگوں کا مال چھیننے کو راہوں پر جائیں

اور گھیر لیں؟

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی ایسی بات قزاقوں اور راہزنوں کے لیے چھوڑ

رکھی تھی؟

یہ ایسے سوالات ہیں جو کہ اسلام کی اصل تصویر کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور جو

لوگ آپ کی طرح اپنے لیے نیا مذہب اختیار کرتے ہیں اُن کو ان کمزور اسلامی اقدار کا

کچھ علم ہی نہیں ہوتا۔ ہم جیسے عالم دین یا مسیحی ان باتوں کو اس لیے منظر عام پر نہیں لاتے کہ ہم اسن پسند ہیں جیسا کہ ہمارے یسوع مسیح نے فرمایا، اور ہم کسی قسم کا فساد نہیں چاہتے۔“

بشپ صاحب! پہلے تو میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں، کہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر جس طرح کے بے بنیاد اور عامیانه الزامات آپ نے لگائے ہیں، یہ کوئی اسلامی تاریخ کے اوراق ہیں؟، اور وہ کوئی قوم اور قبیلہ تھا، جس سے آپ ﷺ نے پیٹھ پھیر لی؟

لہذا ایسی کسی نام نہاد اسلامی تاریخ کا موجد کوئی مسیحی پادری یا مسیحی تاریخ ساز ہی ہو سکتا ہے، کیوں کہ اس طرح کی یا وہ کوئی پادری صاحبان کی پرانی عادت ہے، اور بحیثیت نو مسلم مجھے اس کا بخوبی تجربہ ہے، کہ مسیحی پادری محض عداوت کی بنا پر نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر تنقیص کرتے ہیں، لہذا آقا دو جہاں نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر یہ وہ رٹی رٹائی بے بنیاد باتیں ہیں، جو آپ سے قبل آپ کے اساتذہ کرتے آئے ہیں اور یہی وجہ ہے، کہ حق کا متلاشی جب کوئی غیر مسلم یا مسیحی آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ پر پادریوں کی بے بنیاد باتوں کی تحقیق آپ ﷺ کے شامل مبارکہ سے کرتا ہے، تو ایسے باضمیر حضرات کلمہ حق پڑھ کر خاتم النبیین ﷺ کے امتی بن جاتے ہیں، کیوں کہ جب حق آجائے تو باطل مٹ ہی جایا کرتا ہے، نیز یہ کہ ہم اہل اسلام اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ جب مسیحی پادری آں حضرت ﷺ کی بشارات میں تبدیلی کے لیے اپنی بائبل مقدس میں تحریف و ترمیم کر سکتے ہیں، تو یہ لوگ آقا دو جہاں سرور دو عالم ﷺ کی کردار سازی کے لیے کچھ بھی تحریری اختراع کر سکتے ہیں،

ورنہ دنیا اور عالم اسلام کی تاریخ گواہ ہے، کہ رسالت مآب ﷺ کے تمام غزوات مبارکہ کی غرض و غایت ایک عظیم اور لافانی مقصد کے تحت تھی، اور وہ یہ کہ:

”جہاد، جہد بمعنی طاقت سے شائق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی طاقت کو حاشا مال و دولت کے لیے نہیں۔ عصیہ اور قومیت اور وطنیت اور اظہار مردانگی و شجاعت اور توسیع سلطنت و مملکت کے لیے نہیں بلکہ محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے اپنی طاقت کو پانی کی طرح بہا دینا اس کو اصطلاح شریعت میں جہاد کہتے ہیں۔

اعلاء کلمۃ اللہ (یعنی اللہ کا بول بالا کرنا) اگر مقصود نہ ہو بلکہ فقط مال و زر مطلوب ہو یا قطع نظر حق اور باطل سے وطن اور قوم کی حمایت مقصود ہو یا اپنی بہادری اور شجاعت کا اظہار منظور ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک وہ جہاد نہیں جہاد وہ ہے جو محض خالص اللہ جل جلالہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو دنیاوی اور نفسانی اغراض کے شائبہ سے بالکل پاک ہو۔

یہ کہ خدا تعالیٰ کے وفاداروں کا خدا تعالیٰ کے باغیوں سے محض خدا کا باغی ہونے کی وجہ سے لڑنا اور اس کی راہ میں انتہائی جان بازی اور سرفروشی کا نام جہاد ہے، بشرطیکہ وہ جان بازی اور سرفروشی محض اس لیے ہو کہ اللہ کا بول بالا ہو اور اس کے احکام بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں اور دنیا کا کسی قسم کا نفع مقصود نہ ہو۔ ایسی جان بازی اور سرفروشی کو شریعت اسلام میں جہاد کہتے ہیں۔“ (سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حصہ دوم، ص ۱۹، ۲۰)

”نیز یہ کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے جو جنگ کی جائے اس کا نام جہاد ہے اور وطنی کافروں کے ساتھ مل کر غیر وطنی کافروں سے بلا لحاظ اسلام محض و وطن کی آزادی کے لیے جنگ کرنے کا نام ہر گز ہر گز جہاد نہیں، حضرات انبیاء کرام نے اپنے ہم وطن

کافروں سے نہ کبھی اتحاد کیا اور نہ ان کی ساتھ لڑ کر کوئی مشترک حکومت بنائی بلکہ اپنے اصحاب کو لے کر ہجرت فرمائی اور اپنی قوم کے کافروں سے ہٹ کر اپنا الگ ٹھکانہ بنایا اور جہاد کی تیاری کی اور سب سے پہلے اپنی کافر قوم پر حملہ آور ہوئے اور اس کو فتح کیا۔ ہر رسول نے سب سے پہلے اپنی قوم کے کافروں سے جہاد کیا غیر قوم کے کافروں سے بعد میں جہاد کیا۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی الَّذِیْنَ یَلُوْنُکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ وَلَیَجِدُوْا فِیْکُمْ غُلَظَّةً حضور پُر نور کے تمام غزوات اور جہادات اپنی ہی قوم اور اپنے ہی خویش و اقارب اور اپنے ہی اعزاء اور اصحاب ہی سے تو تھے کسی غیر ملکی اور اجنبی قوم سے تو نہ تھے، جنگ ہدر میں مہاجرین کے سامنے کسی کا باپ تھا اور کسی کا بھتیجا اور کسی کا بھائی اور کسی کا چچا اور کسی کا ماموں اور عام رشتہ داری تو کبھی سے تھی محض اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے لیے صحابہ کرام کی تنہا بے دریغ بے نیام تھی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ واہ واہ۔ ایمان ایسے ہی عشق کا نام ہے جس کے سامنے لیلیٰ اور مجنوں کی تمام داستانیں گر جائیں اور قرآن و حدیث جو ہجرت کے فضائل سے بھرا پڑا ہے اس ہجرت کا مطلب یہی تو ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے لیے اپنے ماں اور باپ اور بیوی اور بچوں اور خویش و اقارب سب کو چھوڑ دینا قوم کا توڑ کر ہی کیا ہے، صحابہ کرام نے جب ہجرت کی تو جس کی رفیقہ حیات اور محبوب بیوی نے کفر کو اسلام کے مقابلے میں ترجیح دی طلاق دے دی اور بیوی، بچوں اور مال دولت اور گھر بار چھوڑ کر نبی کے پیچھے ہوئے اور مدینہ کا راستہ پکڑا رضی اللہ عنہم وحرثنا فی زمزم واما تین علیٰ خیم و سیرتم آمین یا رب العالمین۔ اے میرے عزیز والے میرے دوست و قومیت اور وطنیت ایک فتنہ ہے بت پرستی کے بعد قوم پرستی اور وطن پرستی کا درجہ ہے۔ اور کفر و کفر اور

شرک دون شرک اور ظلم دون ظلم کا مصداق ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ وَإِنَّ السَّكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا، کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو اپنا بھائی اور روئے زمین کے کل کافروں کو اپنا ایک دشمن سمجھو (تکثیر) حق تعالیٰ نے ان الکافرین (جو کہ جمع ہے) اس کی خبر عرواسینا ذکر فرمائی ہے جو کہ مفرد ہے اعداء نہیں فرمایا، اشارہ اس طرف ہے کہ روئے زمین کے تمام کافر مسلمانوں کی عداوت میں بمنزلہ ایک دشمن اور بمنزلہ شخص واحد کے ہیں جس میں ذرہ برابر تعدد اور اختلاف نہیں۔ وَاللّٰهُ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمَ وَاِنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهَدِيْنَ وَالْمَشَٰهَدِيْنَ۔ (سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حصہ دوم، ص ۲۳، ۲۴)

اور اب اقسام جہاد کا حکم بھی سن لیجئے:

”جہاد کی مختلف قسمیں ہیں، جہاد کی ایک قسم دفاع ہے جس کو دفاعی جہاد کہتے ہیں یعنی کافروں کی کوئی قوم ابتداءً تم پر حملہ آور ہو تو تم اس کی مداخلت کے لیے ان کا مقابلہ کرو جہاد کی اس قسم کو حق تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُفَاتِلُوكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

اور قتال کرو خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو تحقیق اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

أَذِنَ لِّلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَأْتِهِمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ بَغْيٍ ۖ هَٰذَا أَتَىٰ أَن يَقُولُوا رَبَّنَا اللّٰهُ

مسلمانوں کو ان کافروں سے جہاد و قتال کی اجازت دی گئی جو کافر مسلمانوں سے لڑتے

ہیں اس وجہ سے کہ مسلمان ستم رسیدہ ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد پر قادر ہے یہ مسلمان اپنے گھروں سے محض بے وجہ نکالے گئے سوائے اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ایک اللہ ہے۔

جہاد کی دوسری قسم اقدامی جہاد ہے یعنی جبکہ کفر کی قوت اور شوکت سے اسلام کی آزادی کو خطرہ ہو تو ایسی حالت میں اسلام اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم دشمنان اسلام پر جارحانہ حملہ دار ہاجمانہ اقدام کرو کیوں کہ جب دشمنوں کی طرف سے خطرہ ہو تو احتیاط اور حفظ مانتھم کا مقتضائیں ہے کہ تم ان پر جارحانہ اقدام کرو تا کہ اسلام اور مسلمان کفر اور شرک کے فتنہ سے محفوظ ہو جائیں اور بغیر کسی خوف و خطر کے امن و عافیت کے ساتھ خداوند ذوالجلال کے احکام کو بجالائیں اور کوئی قوت و طاقت ان کو ان کے سچے دین سے نہ ہٹا سکے اور نہ پھیر سکے اور نہ کوئی طاقت قانون خداوندی کے اجراء و تنفیذ میں مزاحم ہو سکے۔ ایسے موقع پر عقل اور فراست تدبیر اور سیاست کا یہی مقتضی ہے کہ خطرہ کو پیش آنے سے پہلے ختم کر دیا جائے، اس انتظار میں رہنا کہ جب خطرہ سر پر آ جائے گا اس وقت مدافعت کریں گے یہ اعلیٰ درجہ کی حماقت اور سفاہت ہے جس طرح شیر اور چیتے کو قتل کرنے سے پہلے ہی قتل کر دینا اور کاٹنے سے پہلے ہی سانپ اور بچھو کا سر کچل دینا ظلم نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کا تدبیر اور انجام دہی ہے، اسی طرح کفر اور شرک کا سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دینا اعلیٰ درجہ کا تدبیر ہے چور اور تراق یا درندے اگر کسی جنگل اور بیابان میں جمع ہوں تو عقل اور دانائی کا مقتضی یہ ہے کہ قتل اس کے کہ وہ شہر کا رخ کریں ان کو آبادی کا رخ کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے درندوں کے قتل میں اقدام ہی عقل اور دانائی ہے اور فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ

وَجَدْتُمُوهُمْ اور اَیْمًا تَقْفُوا اُخِذُوا وَقْتِلُوا تَقْنِیْلًا میں اسی قسم کے کافر مراد ہیں۔ درندوں کے قتل میں دفاع کا تصور کرنا اور یہ سوچنا کہ جب یہ درندے مل کر ہم پر حملہ آور ہوں گے اس وقت ہم ان کی مدافعت کریں گے، اس قسم کا تصور اہل عقل کے نزدیک کھلی ہوئی حماقت اور نادانی ہے حق جل شانہ کے اس ارشاد سرپا رشاہ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّیْنُ كُلُّهُ لِلَّهِ میں اس قسم کا جہاد مراد ہے، یعنی اے مسلمانو تم کافروں سے یہاں تک جہاد و قتال کرو کہ کفر کا فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کے دین کو پورا غلبہ حاصل ہو جائے، اس آیت میں فتنہ سے کفر کی قوت اور شوکت کا فتنہ مراد ہے اور وَيَكُونَ الدِّیْنُ كُلُّهُ لِلَّهِ سے دین کا ظہور اور غلبہ مراد ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهِ یعنی دین کو اتنا غلبہ اور قوت حاصل ہو جائے کہ کفر کی طاقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے اور دین اسلام کو کفر کے فتنہ اور خطرہ سے بالکلیہ اطمینان حاصل ہو جائے۔“

(سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد دوم ص ۲۹، ۳۰)

”ایام معدودہ (چند روزہ) کی مجازی بادشاہت جرم بغاوت کو ناقابل عفو قرار دیتی ہے اور تمام عقلاً اسکو حق اور صواب، بجا اور درست سمجھتے ہیں حالانکہ باغی شخص نہ بادشاہ کا مخلوق اور پیدا کیا ہوا ہے اور نہ ذرہ برابر کسی چیز میں اس کا محتاج ہے۔

نہ معلوم پھر اُس حکم الحاکمین اور رب العالمین اور خدائے ذوالجلال اور کبیر متعال اور اُس کے وزراء و نائبین یعنی حضرات انبیاء و مرسلین سے بغاوت (کفر) کو کیوں معمولی اور حقیر سمجھتے ہو اور خداوند قدوس کے وزراء سے سرتابی کرنے والوں کی سرکوبی اور ادکام سے گردن کشی کرنے والوں کی گردن کشی کو کیوں ظلم اور تعدی خیال کرتے ہو۔

سلاطین عالم کا اپنے مخالفوں پر فوج کشی کر کے کسی کو قتل کرنا اور کسی کو اسیر کرنا اور اُن کے مال اور اسباب کو ضبط کرنا اور پھر اُس مال کو خیر خواہان سلطنت اور وفاداران حکومت پر بطور انعام تقسیم کرنا عین شان شوکت و سلطنت کا اقتضاء سمجھتے ہو، لیکن اس حکم الہی کی نلی اور شہنشاہِ سلوات و ارشیں سے بغاوت (کفر) کرنے والوں سے جہاد و قتال اور ان کو اسیر اور گرفتار کرنے اور ان کے غلام بنانے اور اُن کے مال و متاع کے ضبط کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔

پس جس طرح جنگ میں دشمن کو جانی نقصان پہنچانا عین سیاست اور فوجی تدبیر کا کمال ہے اسی طرح دشمن کی جنگی اور مالی قوت پر قبضہ کر لینا بھی فوجی تدبیر کا کمال ہے عجیب بات کہ یورپ دشمن کی مالی قوت پر قبضہ کرتا ہے تو اس کو سیاست اور فوجی تدبیر بتلایا جاتا ہے اور جب اسلام خدا کے باقیوں کی مالی قوت پر قبضہ کرنے کے لیے کوئی پیش قدمی کرتا ہے تو اس کا نام لوٹ اور غارتگری، چوریاں ہے۔ پھر یہ کہ جب جنگ میں دشمن کی جان ہی لے لینا جائز ہے تو پھر اس کے مال کے متعلق کیوں اس قدر شور و غوغا ہے، آخر اسلام نے جب کبھی کسی کاروان تجارت پر حملہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی تو کیا وہ ان دشمنوں کا قافلہ نہ تھا کہ جو اسلام کی جان و مال کے دشمن تھے ایسے لوگوں کی جان و مال پر چسپا مارنے کے لیے پیش قدمی کرنا کس آئین اور قاعدہ سے معیوب ہے اور پھر جب کہ وہ چھاپا مارنا مال حاصل کرنے کے لیے نہ ہو بلکہ فقط اس جہ سے ہو کہ یہ لوگ خداوند ذوالجلال کے باغی اور سرکش ہیں علاوہ ازیں سلاطین عالم کی فوج کشی کا باعث صرف توسیع مملکت ہے جو سب کے نزدیک روا اور جائز ہے۔ اور حضرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جہاد اور صحابہ کرام کا یہ تمام اقدام محض اعلا کلمۃ اللہ اور اللہ کی حکومت قائم کرنے

کے لیے تھا کہ احکام خداوندی کی بے حرمتی نہ ہو سکے اور اشرار خداوند گردگار کے احکام کا استہزاء اور تمسخر نہ کر سکیں اور خدا کے نام لیا اپنے مولائے حقیقی کا اطمینان کے ساتھ نام لے سکیں، کفار و فجار چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں مگر انکم الخاکین اور شہنشاہ سموات و الارضین کے احکام کے اجراء و تنفیذ میں مزاحمت نہ کر سکیں۔

حضرت یوشع بن نون اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیٰات کا جہاد اسی غرض سے تھا اور حضرت مسیح بن مریم قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونے کے بعد اسی غرض سے دجال اور اس کے لشکر کے ساتھ جہاد فرمائیں گے جیسا کہ مکاشفات یوحنا اور پولوس کے دوسرے خط وچٹکیوں کے نام سے مصرح ہے۔ دنیا کی مہذب سے مہذب آبادی اگر یہ چاہے کہ بدون حکومت و سلطنت اور بدون دہد و سطوت کے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کر سکے تو ناممکن ہے یا کوئی حکومت اگر یہ چاہے کہ اپنی قلمرو سے مراسم قبیحہ اور رسوم باطلہ اور خیالات فاسدہ اور اوہام و اہیہ کو بدون سیاست اور انتظام کے منادے تو امکان سے باہر ہے۔

پندرہ نصیحت بے شک مؤثر ہے لیکن سلیم طبعیوں کے لیے۔ آپ کتنی سی اخلاص اور ہمدردی سے بہتر سے بہتر نصیحت فرمائیں لیکن ہٹ دھرم طبیعتیں کبھی اثر پذیر نہیں ہو سکتیں۔

بنی نوع انسان کی طبائع یکساں نہیں۔ کسی کے لیے خدا نے کتاب اتاری اور کسی کے لیے لوہا اتارا۔ آغا اگر ہزار واعظ مل کر یہ چاہیں کہ اپنی تقریر دلیڈیر سے کسی قبیح رسم کو مٹا دیں تو نہیں مٹا سکتے مگر ایک شاہی فرمان وقت واحد میں ملک کے اس سرے سے اس سرے تک اس برائی کو مٹا سکتا ہے۔

نبی اکرم سید ولد آدم خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولینا محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ
اجمعین کو جب احکم الحاکمین اور شہنشاہ سموات وارضین نے بشیر و نذیر بنا کر عالم کی
ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تو اس وقت آپ بالکل تنہا تھے نہ کوئی آپ کا معین
و شیر تھا نہ کوئی آپ کا وزیر یا تدبیر تھا۔

نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا تو حیدر تائی کی دعوت دی کہ خداوند ذوالجلال کو ایک مانو
اور ایک جانو ایک سمجھو، اُسی سے مانگو اُسی کے سامنے جھکو، ہر بخش اور بے حیائی اور ہر
بری بات سے روکا اور محاسن اخلاق اور مکارم افعال کی ترغیب دی غرض یہ کہ آپ نے
دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی نہ چھوڑی کہ جس کی تعلیم و تلقین اور جس کا حکم نہ کیا
ہو اور دنیا اور آخرت کی کوئی برائی ایسی نہیں چھوڑی کہ جس سے منع نہ فرمایا ہو۔

(سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) حصہ دوم، ص ۱۳، ۱۵

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب مرحوم مغفور رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ انبیاء
کرام علیہم السلام کے ”جہاد“ کے بارے میں بائبل مقدس سے اس کے شواہد پیش
کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

گذشتہ پیغمبروں نے بھی کافروں کو قتل اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا، اور ان کے اموال
کو لوٹا ہے، اور یہ چیزیں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں، یہ
بات اس شخص پر مخفی نہیں ہو سکتی جس نے دونوں عہد کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، گو اس کی
مثالیں اور شواہد بکثرت ہیں، مگر ہم غمونہ کے طور پر چند کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں:

کتاب استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے:

”جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا،

اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے، اور اپنے چھانک تیرے لیے کھول دے، تو وہاں کے سب باشندے تیرے ہاجلدار بن کر تیری خدمت کریں، اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو ٹو اس کا محاصرہ کرنا، اور جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا، لیکن عورتوں، اور بال بچوں اور چوپائوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا، ان سب شہروں کا بھی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں، اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں، پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند.... تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے، کسی ذی نفس کو بیعت نہ پکار کھنا، بلکہ تو ان کو یعنی حتیٰ اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یسوی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل تیسٹ کر دینا۔ (آیات ۱۰ تا ۱۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے چھ قبائل یعنی حتیٰ، اموری، کنعانی، فرزی، حوی اور یسوی لوگوں کے حق میں یہ حکم دیا تھا کہ ان میں سے ہر جائدار کو تلوار کی دھار سے قتل کیا جائے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں یا بچے، ان کے علاوہ دوسری قوموں کے لیے یہ حکم دیا گیا کہ پہلے ان کو صلح کی دعوت دی جائے، پھر اگر وہ قبول کر لیں اور اطاعت قبول کریں اور جزیہ ادا کرنا منظور کریں تو بہتر ہے، اور اگر وہ تیار نہ ہوں اور لڑائی کریں تو ان پر فتح حاصل کرنے کے بعد ان کے مردوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کے جانوروں اور اموال کو لوٹ لیا جائے، اور مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے اور یہی حاملہ ان بستیوں کے ساتھ کیا جائے جو ان مذکورہ چھ قبائل سے دور واقع ہوں۔

صرف ایسی ہی ایک عبارت عیسائیوں کے تمام واجبات اعتراضات کے جواب میں کافی واثانی ہے، علماء اسلام نے، متقدمین نے بھی اور پچھلوں نے بھی اس عبارت کو عیسائیوں کے مقابلہ میں نقل کیا ہے، مگر عیسائی ہمیشہ اس کے جواب سے ایسے خاموش رہتے ہیں گویا انہوں نے مخالف کے کلام میں اس عبارت کو دیکھا ہی نہیں اور اس کا جواب ہی نہیں دیتے، نہ اقرار کے ساتھ نہ تاویل کی صورت میں،

دوسری مثال:

کتاب خروج باب ۲۳ آیت ۲۳ میں ہے

”اس لیے کہ میرا فرشتہ تیرے آگے آگے چلے گا، اور تجھے امور یوں اور حقیتوں اور فرزیوں اور کنعانوں اور حویلوں اور دیوبندیوں میں پہنچا دے گا، اور میں ان کو ہلاک کر ڈالوں گا، تو ان کے معبودوں کو بھدہ نہ کرنا، نہ ان کی عبادت کرنا، نہ ان کے سے کام کرنا، بلکہ تو ان کو بالکل اُلٹ دینا، اور ان کے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔“ (آیات ۲۳، ۲۴)

تیسری مثال:

کتاب خروج باب ۳۴ آیت ۱۲ میں انہی چھ قوموں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

”سو خبردار رہنا کہ جس ملک کو تو جاتا ہے اس کے باشندوں سے کوئی عہد نہ بنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے لیے پھندا اٹھیرے، بلکہ تو ان کی قربانیاں کو ڈھا دینا، اور ان کے (ستونوں) کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور انکی سیرتوں کو کاٹ ڈالنا۔“

چوتھی مثال:

کتاب کنفی باب ۳۳ آیت ۵۱ میں ہے:

”بنی اسرائیل سے یہ کہہ دے کہ جب تم یرون کو عبور کر کے ملک کنعان میں داخل ہو تو تم

اس ملک کے سب باشندوں کو (وہاں سے نکال دینا) اور ان کے شبیہ دار پتھر دلوں کو اور اُن کے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا اور ان کے (سب اونچے مقاموں) کو مسما کر دینا۔“
آگے آیت ۵۵ میں ہے:

”لیکن اگر تم اس ملک کے باشندوں کو (اپنے آگے سے دور نہ کرو) تو جن کو تم باقی رہنے دو گے وہ تمہاری آنکھوں میں خار اور تمہارے پہلو میں (کانٹے) ہونگے اور اُس ملک میں جہاں تم بسو گے تم کو قتل کریں گے، اور آخر کو یوں ہوگا کہ جیسا میں نے ان کے ساتھ کرنے ارادہ کیا ویسا ہی تم سے کروں گا۔“ (آیات ۵۵، ۵۶)

پانچویں مثال:

کتاب استغناء باب ۷ آیت ۱ میں ہے:

”جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کے لیے توجہ رہا ہے پہنچا دے، اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو یعنی حتیوں اور جر جاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یوسیوں کو جو ساتوں قومیں تھیں سے بڑی اور زور آور ہیں (نکال دے) اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو ان کو مار لے تو تو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا، اور نہ اُن پر رحم کرنا بلکہ تم ان سے یہ سلوک کرنا کہ ان کے مذبحوں کو ڈھا دینا، ان کے (ستونوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور ان کی سیڑیوں کو کاٹ ڈالنا، اور ان کی تراشی ہوئی صورتیں آگ میں جلا دینا۔“ (آیات ۵۳)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سات قوموں کی نسبت یہ حکم دیا تھا کہ ان کے ہر جاندار کو قتل کیا جائے، اور قطعی اُن پر رحم نہ کیا جائے، نہ ان سے کوئی معاہدہ

کیا جائے، ان کے مدح خانوں کو برباد اور بتوں کو توڑ دیا جائے، اور بتوں کو آگ لگا دی جائے، عبادتوں کو موقوف کیا جائے، اور ان کی بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے، اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تم ان کو ہلاک نہیں کرو گے تو میں پھر تمہارے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جو ان کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا تھا، ان سات اقوام کی نسبت یہ بھی کہا گیا کہ جو ساتوں قومیں تمھ سے بڑی اور زور آور ہیں۔“ اور کتاب گنتی کے باب میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی تعداد جوڑنے کے لائق اور بیس ۲۰ سال یا اس سے زیادہ عمر تک کے تھے چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس تھی، اور لاوی کی اولاد مرد ہوں یا عورت اسی طرح باقی گیارہ خاندان کے لوگ اور مرد جن کی بیس ۲۰ سال سے کم عمر تھی وہ اس شمار سے خارج ہیں، اس لیے اگر ہم تمام بنی اسرائیل کی تعداد کو ملحوظ رکھیں اور متروک مردوں عورتوں کو بھی شمار کئے گئے افراد کے ساتھ شامل کر لیں تو پچیس لاکھ یعنی ڈھائی ملین سے کسی حال میں کم نہیں ہوں گے، اور یہ سات قومیں جب تعداد میں بھی ان سے زیادہ اور قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے تو یقیناً ان کی تعداد بنی اسرائیل کے شمار سے زیادہ ہوگی۔“

چھٹی مثال:

کتاب خروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:

”جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے بالکل نابود کر دیا

جائے۔“

ساتویں مثال:

جس شخص نے بھی کتاب امتثنا، باب ۱۳ کا مطالعہ کیا ہوگا، وہ خوب جانتا ہے کہ غیر اللہ

کی عبادت کی دعوت دینے والا خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو واجب القتل ہے اسی طرح
بچوں کی پرستش کی دعوت دینے والے کو سنگسار کیا جانا ضروری ہے خواہ وہ رشتہ دار یا
کوئی دوست ہی کیوں نہ ہو اور اگر کسی بستی کے لوگ ایسا کریں تو سب کے سب
واجب القتل ہیں، یہاں تک کہ اُن کے جانور بھی ہتھیاروں کی دھاروں سے قتل کئے
جائیں، اور بستی کو آگ لگا دی جائے، اور اس کی املاک و اموال کو بھی ایسا ڈھیر بنا دیا
جائے کہ پھر نہ بن سکے،

آٹھویں مثال:

کتاب استثناء باب ۱۷ آیت ۲ میں ہے:

”اگر تیرے درمیان تیری بہتیوں میں جن کو خداوند تیرا خدا تجھ کو دے کہیں کوئی مرد یا
عورت ملے جس نے خداوند تیرے خدا کے حضور یہ بدکاری کی ہو کہ اس کے عہد کو توڑا
ہو اور جا کر اور معبودوں کی یا سورج یا چاند یا احرام فلک میں سے کسی کی جس کا حکم میں
نے تجھ کو نہیں دیا، پوچھا اور پرستش کی ہو، اور یہ بات تجھ کو بتائی جائے، اور تیرے سننے
میں آئے تو تو جانفشانی سے تحقیقات کرنا اور اگر یہ ٹھیک ہو اور قطعی طور پر ثابت
ہو جائے کہ اسرائیل میں ایسا مکروہ کام ہوا تو تو اس مرد یا اس عورت کو جس نے یہ بُرا
کام کیا ہو باہر اپنے بھائیوں پر نکال لے جانا اور ان کو ایسا سنگسار کرنا کہ وہ مر جائیں۔“
نویں مثال:

کتاب خروج باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے:

”اور میں ان لوگوں کو مصریوں کی نظر میں عزت بخشوں گا، اور یوں ہوگا کہ جب تم
نکلو گے تو خالی ہاتھ نہ نکلو گے، بلکہ تمہاری ایک ایک عورت اپنی اپنی پڑوسن سے اور

اپنے اپنے گھر کی مہمان سے سونے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی، ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے، اور مصریوں کو لوٹ لو گے۔ (آیات ۲۲، ۲۳)

پھر اسی کتاب کے باب ۱۲ آیت ۳۵ میں ہے:

”اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے مطابق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لیے، اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انھوں نے مانگا انھوں نے دیدیا، سو انھوں نے مصریوں کو لوٹ لیا۔“ (آیات ۳۵، ۳۶)

اب جب کہ بنی اسرائیل کی تعداد اس قدر تھی جتنی کہ گزشتہ مثال میں معلوم ہو چکی ہے، اور ان کے ہر مرد و عورت نے مصریوں سے مستعار چیزیں لیں، تو مستعار لی ہوئی اشیاء کی مقدار و تعداد کا شمار یقیناً احاطہ سے خارج ہے، جس طرح خدا نے ان سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ تم مصر کو لوٹو گے، پھر دوبارہ خبر دی کہ مصریوں کو لوٹا، مگر خدا نے لوٹنے کے لیے رکاری اور فریب دہی کو جائز کر دیا، جو سراپا ظاہر میں خدا اور دھوکہ ہے۔

دسویں مثال:

کتاب خروج باب ۳۲ آیت ۲۵ میں پچھڑے کی پرستش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”جب موسیٰ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ (عریاں) ہو گئے، کیوں کہ ہارون ﷺ نے ان کو (ننگا کر کے) ان کو ان کے دشمنوں کے درمیان ذلیل کر دیا، تو موسیٰ ﷺ نے لشکر گاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا جو خداوند کی طرف ہے وہ میرے پاس آ جائے، تب سب بنی لاوی اس کے پاس جمع ہو گئے، اور اس نے ان

سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکا کر
 پھانک پھانک گھوم کر سارے لشکر گاہ میں اپنے اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں
 اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو، اور بنی لاوی نے موسیٰ علیہ السلام کے کہنے
 کے موافق عمل کیا، چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً (تیس ہزار) مرد کھیت آئے۔“
 یاد رکھیے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۲ء و ۱۸۴۸ء جس سے میں نے یہ عبارت
 نقل کی ہے اس میں ”تیس ہزار“ ہی کا لفظ ہے،
 گیارہویں مثال:

کتاب گنتی باب ۲۵ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے جب موسیٰ کی دہائیوں سے زنا کیا،
 اور ان کے بتوں کو جبرہ کیا، تو خدا نے ان کے قتل کا حکم دیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اُن
 کے چوبیس ہزار آدمی قتل کئے۔
 بارہویں مثال:

جس شخص نے کتاب گنتی باب ۳۱ کا مطالعہ کیا ہوگا، اس پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ
 موسیٰ علیہ السلام نے یثیماس بن عازار کے ہمراہ بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر اہل مدین سے
 جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا، پھر انھوں نے لڑکر اُن پر غلبہ حاصل کر لیا، اور ان کے
 تمام مردوں کو، نیز پانچ بادشاہوں اور بلعام کو بھی قتل کیا، اور ان کی عورتوں، بچوں اور
 تمام جانوروں کو قید کیا، بستیوں اور شراب خانوں اور شہروں کو آگ لگا کر خاکستر کر
 ڈالا، پھر جب وہ واپس لوٹے تو موسیٰ علیہ السلام ان پر غضب ناک ہوئے کہ تم نے
 عورتوں کو زندہ کیوں چھوڑا؟ پھر ہر نابالغ بچے اور ہر شادی شدہ عورت کے قتل کا حکم دیا،
 اور کوار یوں کے چھوڑنے کا، پر انھوں نے حکم کے مطابق عمل کیا، صرف مال غنیمت

ایمانی قوت ہے، اور خدائی وعدوں کی تکمیل، نہ کہ قسوت قلبی اور ظلم۔“

(بائبل سے قرآن تک، ص ۴۶۸)

اسی طرح ”بائبل سے قرآن تک“ کے صفحہ ۴۷۰ پر مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، کہ:

”مذہب شریعت کے تمام عملی احکام کے لیے ضروری نہیں کہ آنے والی شریعت میں بھی وہ بعینہ باقی رہیں، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ عملی احکام کسی ایک شریعت میں ہمیشہ یکساں رہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ مصالح اور زمانہ اور مکلفین کے بدل جانے سے وہ احکام بالکل بدل جائیں، یہ تفصیل باب ۳ میں کافی سے زیادہ قارئین کو معلوم ہو چکی ہے، لہذا شریعت موسویہ میں ”جہاد“ ایسے شتج ظلم والے طریقوں کے ساتھ شروع تھا، جس کی مشروعیت شریعت عیسوی میں باقی نہیں رہی، بنی اسرائیل کو بھی جہاد کا حکم مصر سے نکلنے کے بعد ہوا تھا، اس سے قبل جہاد کی ان کو اجازت نہ تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد دجال اور اس کے لشکر کو قتل کریں گے، جس کی تصریح تحفہ سلکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ اور مشاہدات کے باب ۱۹ میں موجود ہے۔ (بائبل سے قرآن تک، ص ۴۷۰، ۴۷۱)

ہشپ صاحب! یہ بہت ممکن ہے، کہ مذکورہ بالا جتنے حوالہ جات میں نے ”جہاد“ اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے نقل کیے ہیں، وہ محض اس لیے آپ کے یہاں قبول نہ ہوں، کہ یہ اہل اسلام کی کتب کے حوالہ جات ہیں۔

لیکن ممکن ہے، کہ آپ بائبل مقدس کے مذکورہ بالا حوالہ جات اور غیر مسلم مصنف آرڈبلیو اسکاٹ کے ان الفاظ سے صرف نظر نہ کر سکیں۔

”اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دنیا کے بیشتر مذاہب تلوار اور طاقت کے بل بوتے پر پھیلے گئے۔ احیٰ میں مسلمانوں کی حکومت کو ختم کر کے مسلم آبادی کو جبراً عیسائی بنایا گیا۔

اس کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکمت عملی اختیار کی وہ انسانی تاریخ کا روشن ترین باب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی برتری، عناد و دشمنی، تعزیری اور انتقامی سزاؤں کے بغیر میدان کارزار میں بہادری کے ابواب تحریر کے کھلی جنگ میں کوئی گھٹیا

اور پست حربہ اختیار نہیں کیا۔ (Islam and its founder 1875)

(تجلیات سیرت ﷺ، ص ۱۳۸)

ایک اور یورپی مصنف لین پول فتح مکہ کے تاریخی واقعہ پر لکھتا ہے، کہ:

”حقائق سخت ہوتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن اپنے دشمنوں پر فتح پائی اور جو ان کی عظیم ترین فتح تھی۔ وہی دن دراصل محمد ﷺ کی ذات اور انسانیت کی عظیم ترین فتح کا دن تھا۔ آپ ﷺ نے مکہ کے لوگوں کو عام معافی دیدی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کے ناقابل بیان مظالم اور اذیتوں کا آپ ﷺ نشانہ بنے رہے تھے۔ انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس طرح محمد ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے دنیا کا کوئی فاتح اس طرح مفتوحہ شہر میں داخل نہیں ہوا۔“ (ملاحظہ ہو Studies in Mosque) (تجلیات سیرت

ﷺ، ص ۱۶۰)

باقی آپ کا اپنے بارے میں یہ فرمانا کہ:

”ہم امن پسند ہیں“، جی ہاں جناب! آپ کی ”امن پسندی“ کے ڈنکے تو دنیا میں

ہر طرف بک رہے ہیں، اور آپ کی ”امن پسندی“ کو ماضی اور حال کے مسلمان اچھی طرح جانتے ہیں۔ خصوصاً حالیہ واقعات کی روشنی میں عراق، افغانستان، غزہ اور دیگر اسلامی ریاستوں کے بے گناہ مسلمان، بہن، بھائی، اور معصوم بچوں کا خون ناحق آپ کی ”امن پسندی“ کے کھلے ہوئے ثبوت ہیں۔

اور آپ کے خط کا یہ حصہ۔ آپ لکھتے ہیں:

”قرآن کی حقیقت و قوانین: آپ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی مصلوبیت کو اپنی بیان کردہ قرآن کے مطابق، مسکنی عقیدہ کفارہ بلکہ نجات کے واحد راستے سے اور سچائی سے روپوشی ہے۔ میرے اس خط سے یقیناً آپ کا اسلام تو خطرے میں پڑ جائے گا، اور یقیناً عدالتوں کی گھنٹیاں بھی بجنے لگے گی۔ لیکن انجیل مقدس میں لکھا ہوا ہے ”جان دے تے تک وادہ تو میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا۔“ (مکاشفہ ۱۰:۲)

آپ جناب نے انتہائی دانشمندی اور پوشیدہ انداز میں (اسلام کے خلاف پمفلٹوں پر عدالتوں سے رجوع کو دین اسلام کی تعلیم کا بہترین اصول اور ضابطہ کہہ کر) دھمکی بھی دے دی ہے اور اسکے پس منظر میں C-295 کا بے ایمانہ اور غلط قانون ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں اور بالخصوص مسیحیوں کیساتھ نا انصافیوں کا انتہائی منحوس، کالا اور ازیت ناک قانون کا بنایا جانا، درحقیقت اسلام کی مذہبی اقدار کا انتہائی کمزور ہونا ہے، کیوں کہ اگر اقلیتوں کو مکمل تبلیغی سرگرمیوں کی اجازت دے دی گئی تو آپ کے پلے کچھ نہیں رہے گا۔ اس لیے آپ حضرات فکر مند اور پریشان ہی کیوں کہ آپ اپنی اندرونی کیفیت سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے آپ نگلی نکلتی ہوئی کموار (C-295) سے اقلیتوں (بالخصوص مسیحیوں) کو تعصب، رنگ و نسل کا نشانہ بنا کر اپنی کمزور اسلامی اقدار

کو ملک پاکستان میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

”مذہبی جنون C-295 یعنی گستاخ رسول کے کالے قانون کا استعمال آج تک مسلمان بھائیوں نے صرف اپنے ذاتی و کاروباری رقابتوں اور اقلیتی بھائیوں کی ترقی کو تیزی میں تبدیل کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، جس کو بڑی مکاری و عیاری سے اور مذہبی جنون و جوش کا نام دیکر، مسلمان بھائی اقلیتوں (بالخصوص مسیحیوں) کا قلع قمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ بقول آپ کے یورپین ممالک میں بھی ایسے قوانین ہیں، لیکن آج تک وہاں کسی مسلمان سے ذاتی دشمنی کے لیے ان قوانین کا استعمال کی مثال نہیں ملتی یقیناً یورپ میں اخلاقی آزادی اور سیکولرزم کے نام پر نجانے کیا کیا ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی ہر میدان میں کامیابی اور ترقی کسی سے پوشیدہ نہیں اس کی بنیادی وجہ ان کی مذہبی اقدار کی مضبوطی ہے، جس کو سہارا دینے کے لیے C-295 جسے کالے قوانین اور پیرا کیوں کی ضرورت نہیں جیسا کہ اس ملک میں ہے۔

اس لیے جناب سابق یونٹل کنڈن صاحب اگر واقعی آپ کو تبلیغ کرنے کا شوق ہے تو بات کرنے کے ساتھ بات سننے کا حوصلہ بھی رکھیں اور اس بات کو یاد رکھیں کہ.....

”تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تھکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے نکال نکال دوں؟ اے ریاکار پہلے اپنی آنکھ میں شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تھکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔“ (متی ۷: ۳-۵)

بشپ صاحب بحیثیت راہنما آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں، کہ بائبل کے بعض ابواب ایسے ہیں، کہ ان میں انبیاء کرام علیہم السلام جیسی مقدس اور پاکباز

ہستیوں سے منسوب ایسے شرمناک اور بیجو وہ داستانیں درج ہیں،

کہ انھیں عام شرافت انسانی سے بھی تصور نہیں کیا جاسکتا، اس لیے ایمان اور عقیدت اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں، کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جیسی عظیم اور مقدس ہستیاں، جو انسانی ہدایت کا ذریعہ اور راہنما ہو کرتی ہیں، ان کی ذات پر کھٹنے والی ہر بد زبان کو مکمل طور پر بند رکھنے کے لیے وہ شرعی قوانین جو قرآن و حدیث میں موجود ہیں، لاگو کیے جائیں، تاکہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام کا مستقل اور مکمل تحفظ قیامت تک کے لیے برقرار رہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

”جو شخص حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرے یا آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی نبی کی

شان میں چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کیا جائے گا، اور اس کی توبہ قبول نہیں کی

جائے گی۔“ (ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۱۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”الصارم المسلول علی شاتم الرسول“

میں رقم طراز ہیں:

”جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے،

اور یہ عام اہل علم کا مسلک ہے۔ پھر انہوں نے ابوبکر ابن المذہب کا وہ کلام نقل کیا ہے جو

قاضی میاضؒ نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ ابوبکر

فارسیؒ جو کہ امام شافعیؒ کے ساتھیوں میں سے ہیں، نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع

نقل کیا ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔ یہ اجماع جو

انہوں نے بیان کیا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعینؒ کے زمانہ کے اجماع پر محمول ہے یا

اس سے ان کی مراد مسلمانوں کا وہ اجماع ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا مسلمان یا کافر ہے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے۔“ یہی اہل اسلام کا مذہب ہے۔“ (ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۱۵۲)

بشپ صاحب یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے، کہ اوپر مذکورہ اس شرعی حکم میں دو جگہ یہ بات منقول ہے، کہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا مسلمان ہو یا کافر اُسے قتل کیا جائے گا، یعنی اس ”حد و سزا“ کے دائرے میں غیر مسلم ہی نہیں خود مسلمان بھی آتے ہیں، اس لیے آپ کے اس کہنے کی کوئی حیثیت نہیں، کہ:

”اس لیے آپ ﷺ کی تلواریں (295-C) سے اقبیتوں (بالخصوص مسیحیوں) کو تعصب، رنگ و نسل کا نشانہ بنا کر اپنی کمزور اسلامی اقدار کو ملک پاکستان میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔“

قانون توہین رسالت (ﷺ) کیوں؟ اور کس لیے ضروری ہے، ملاحظہ ہو:

”چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ اور اسوہ حسنہ ایک نمونہ کامل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اسلام کی اساسی تعلیمات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم لازمی حیثیت اختیار کر گئی ہے اور اس لیے ہر اس بات اور عمل کو، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات پر حرف گیری کا شائبہ تک بھی ہو، سختی سے منع کیا گیا ہے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور امت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت بے مثال رہی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار حاصل تھا کہ اپنے دور میں، جو اسلام کے آغاز اور ارتقاء کا دور تھا، اس سلسلے میں سختی و نرمی اور غفو

درگزر کی ایسی مثالیں قائم فرمائیں جو اس وقت کے حالات سے مناسبت رکھتی ہوں لیکن امت مسلمہ کے کسی فرد کا یہ حق کبھی تسلیم نہیں کیا گیا کہ وہ اس ضمن میں خود اس قسم کی حرکتوں میں معافی نامہ جاری کر سکے۔ امت کا مفاد بھی اس کا متقاضی ہے کہ اس عظیم ترین مرکزی شخصیت کے حقوق اور مفادات کا دفاع کرے تاکہ معاشرے میں امن و امان برقرار رہے اور افراد کی اصلاح کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس مثالی شخصیت کے ساتھ عقیدت و محبت میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہو۔ عشق رسول لازماً ایمان ہے اور ہر مسلمان کے دگ و پے میں خون کی طرح جاری رساری ہے۔ حقیقی مسلمان کبھی بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی دریدہ و ذہن شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی گستاخی کا بھی مرتکب ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان نے بھی اپنے خونی رشتے داروں کے ضمن میں چشم پوشی یا غنودہ درگزر سے تو کام لیا ہوگا، مگر ختم المرتبت، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان القدس میں کبھی بھی وہ درود رعایت کار وادار نہیں ہوا اس لیے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قانون میں جہاں حدود و قصاص اور تعزیرات کے ضمن میں جرائم کی مختلف اقسام کے لیے سزائیں موجود ہیں، ان میں گستاخ رسالت مآب کے لیے قراوقعی سزا موجود ہوتا کہ نہ امن و امان کا کوئی مسئلہ کھڑا ہو اور نہ فدا یان رسول کی آزمائش سے دو چار ہوں۔“

(ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۲۳، ۲۴)

بشپ صاحب! آپ کہتے ہیں کہ:

”C-295 یعنی گستاخ رسول کے کالے قانون کا استعمال آج تک مسلمان بھائیوں

نے صرف اپنے ذاتی و کاروباری رقابتوں اور اقلیتی بھائیوں کی ترقی کو تہذیبی میں

تبدیل کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔“

لیکن! جناب والا حقیقت آپ کے مذکورہ بالا بیان سے بالکل مختلف ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

”پاکستان کے چند شہر پسند متعصب عیسائی یہود اور ہنود کی بھیانک سازش کے تحت اسلامی مملکت پاکستان میں اسپین کی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں تاکہ اس ملک کی بنیادوں کو بھی متزلزل کر دیا جائے۔ چنانچہ حکمہ فخریز کا عیسائی اسٹنٹ ڈائریکٹر انور کیتھہ نے اپنے علاقے کے انسپکٹر پولیس کو خط بھیجا جس میں رسول کریم ﷺ کو شرمناک گالیاں لکھی ہوئی تھیں جس پر توہین رسالت کے جرم C-295 میں چالان عدالت ایڈیشنل سیشن جج لاہور میں پیش کر دیا گیا۔ جج موصوف نے ملزم کو جرم کی نوبت اور اس کی سزا سے آگاہ کرنے کی کوشش کی مگر اس بد بخت نے عدالت میں بھی حضور اکرم ﷺ کو گالیاں دیں۔ عدالت نے پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد کہ ملزم ذہنی طور پر پاگل نہیں ہے اس کے خلاف توہین رسالت کے جرم کے تحت کارروائی شروع کی۔ ملزم کو اپنی صفائی اور معاہدت کے لیے حکومت کی طرف سے بلا معاوضہ وکیل فراہم کرنے کی پیش کش کی گئی لیکن اس نے صفائی پیش کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر اسے قانون کے مطابق سزا دے کر اس کا کیس ہائی کورٹ لاہور میں بطور ریفرنس بھیج دیا گیا۔“

(ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۲۵۹، ۲۶۰)

”اسی طرح ایک نوجوان مسلمان وجیہ الحسن کو عیسائی بنانے کے بعد یوسف مسیح کے نام سے جو خطوط علماء اور خود راقم کو بھیجے گئے اس میں پیغمبر ﷺ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی ساجزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایسی

نگی گالیاں لکھی گئی ہیں جو ایک مسلمان تو کیا کسی غیر مہذب شخص کے لیے بھی ناقابل برداشت ہیں۔ عدالت سیشن جج سے سزا کے بعد اس کا کیس ہائی کورٹ توثیق کے لیے بھیج دیا گیا۔ پاکستان کی رواداری اور مذہبی آزادی کے باوجود ایک عیسائی گروہ جہزیوں کے نام پر فتنہ اور فساد برپا کرنا چاہتا ہے کیوں کہ وہ ایک نظریاتی اسلامی ملک کو عیسائیت کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔“

(ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۲۶۰)

بشپ صاحب! اس کے ساتھ ساتھ آپ کے علم میں یہ بات بھی ہونی چاہیے کہ: ”قانون توہین انبیاء علیہم السلام دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں تھوڑی بہت معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نافذ رہا ہے۔ نیو انٹیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق اکثر مشرقی اور یورپی ملکوں میں ”بلاس فمی“ لاکسی نہ کسی صورت قابل مواخذہ جرم رہا ہے، آسمانی صحائف کو ماننے والی اقوام جہاں بھی حکمران رہی ہیں وہاں توہین رسالت کی سزا سزائے موت پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔“

(ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، ص ۲۱۸)

لہذا:

”مسیحی برادری کو تو قانون توہین رسالت کا خوش دلی سے خیر مقدم کرنا چاہئے تھا۔ کیوں کہ اس قانون کی رو سے جناب مسیح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام جنہیں عیسائی اور مسلمان سب ہی اپنا پیغمبر برحق مانتے ہیں۔ ان کی شان میں گستاخی اور اہانت قابل تعزیر جرم بن گیا ہے اور ان کی اہانت اور توہین کی وہی سزا مقرر ہے جو خاتم الانبیاء حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کی سزا ہے۔ مسلمان

ان تمام پیغمبر کرام کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسا کہ یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں، اس لیے وہ ان کے بارے میں کسی قسم کی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان پیغمبروں کے علاوہ اسلام کے احکام کے مطابق مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے پیشواؤں کے خلاف بھی اہانت کی اجازت نہیں اور نہ ہی انہوں نے آج تک ایسی شرارت کی ہے۔

اسی کتاب میں ہم نے یہودی فلم ساز مارٹن اسکورس کی انتہائی شرمناک فلم ”مسح کی آخری ترغیب“ (The Last Temptation of Christ) کا تفصیلی ذکر کیا ہے، جو سال ۱۹۸۸ء میں لندن کے سینما گھروں میں دکھائی جا رہی تھی، جس میں معاذ اللہ جناب مسیح علیہ السلام کے ایک طوائف کے ساتھ تعلقات کے مناظر دکھائے گئے ہیں۔ میں ان دنوں لندن میں مقیم تھا۔ ہماری دینی حیثیت اسے برداشت نہ کر سکی، چنانچہ ہماری اس اپیل پر، کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف عیسائیوں ہی کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی واجب الاحرام پیغمبر ہیں لہذا اس فلم کی نمائش بند ہونی چاہیے۔ لندن میں مسلمانوں نے خاموش احتجاجی مظاہرے کیے، جس پر بالآخر وہ فلم فلاپ ہو گئی۔

مسیحی برادری اور اقلیتی فرقوں کے رہنماؤں اور ان کے پیروکاروں کی نیت پر ہمیں شبہ نہیں۔ جب وہ ہمارے پیغمبر کی توہین اور گستاخی نہیں کریں گے تو پھر انہیں ڈر اور خوف کس بات کا ہے۔ کیا قانون بلا وجہ ان کے خلاف حرکت میں آجائے گا یا پھر پاکستان کی عدلیہ بے گناہ لوگوں کو جو توہین رسالت کے مجرم نہیں، پھانسی کی سزا سنائے گی یا وہ پاکستان میں پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف گستاخی اور توہین کے لیے کھلا لائسنس

طلب کر رہے ہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات بھی قرین قیاس نہیں تو پھر اس قانون کی منسوخی کے مطالبہ کا آخر کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟“

(ناموس رسول ﷺ اور قانون تو جین رسالت، ص ۵۳، ۵۴)

اور اب آپ کے خط کی آخری سطور:

آپ اور آپ کے مدارس: ”اس ملک میں دینی مدارس اور اداروں کا فرض اور فعل یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ کمزور اسلامی اقدار کو ڈھانکنے کے لیے خود کوئی ضابطہ حیات و جوہ میں لاتے تاکہ امن اور سلامتی کی جانب یہ ملک گامزن ہوتا لیکن اس کے برعکس یہ مدارس و ادارے اقلیتوں اور بالخصوص مسیحیوں کے خلاف تعصب کو پروا دینے والی بھرپور کتب کو تخریب کرنے اور فسادات کو پھیلانے والا جہاد کا فلسفہ و جذبہ عوام میں غلط طریقے سے ابھارنے میں اپنی ساری توانیاں صرف کرنے میں مصروف ہیں جو کہ درحقیقت اسلام کے واضح پہلوؤں اور آئین کے ہی عین مطابق ہے۔

آخر میں امید ہے آپ جناب و معذرتوں سے اس کڑے خط کی سچائیوں کو قبول کرتے ہوئے اور اس خط کو عوام میں اشتعال دلانے کے لیے استعمال نہ کرتے ہوئے میرے مناظرے کی دعوت کو قبول کریں، بیشک آپ اپنی مرضی کے مطابق وقت اور مقام کا تعین کریں اس مناظرے میں مکمل مذہبی کے ساتھ دلائل بازی کی اجازت ہو تاکہ روبرو ہوتے ہوئے آپ سچائی سے واقف ہوں جو کہ آپ کو آزاد کروائے گی، دوسری صورت میں آپ میرے امی میل یا ویب سائٹ پر میرے ساتھ رابطہ کر سکتے ہیں تاکہ ہم تعصب کی لعنتی بیماری سے نجات حاصل کرتے ہوئے اور C-295 جسے کالے قوانین کا خاتمے کے لیے مل کر آواز اٹھائیں اور ایک دوسرے کے مذہب کی

عزت کرتے ہوئے مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیں اور اس ملک میں اقلیت اور اکثریت مل جل کر بہ امن طور پر بھائیوں کی طرح رہیں اور دوسروں کے لیے ایک مثال بنیں۔“

بشپ صاحب! جس طرح دنیاوی تعمیر و ترقی اور مادی فوائد و وسائل کے لیے معاشرے کے بچے، بچیاں، اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں، اسی طرح ”روحانی“ تعمیر و ترقی کے لیے ان مدارس دینیہ میں قال اللہ قالہ رسول (ﷺ) کی پاکیزہ تعلیمات دی جاتی ہیں، تاکہ یہاں کا فارغ التحصیل طالب علم معاشرے کے ذمہ دار فرد کی حیثیت سے معاشرے کے مختلف شعبوں میں وقتاً فوقتاً ہونے والے ریگاڑ و کمزوریوں کی نشاندہی کرے، اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا حل پیش کرے۔ اس لیے مدارس دینیہ کے جتنے بھی شعبے تعلیم و تعلم سے منسلک ہیں، ان سب کا مقصد معاشرے کی دینی بنیادوں پر اصلاح و تربیت ہے، اس لیے اُمید کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا طور سے آپ کو مدارس دینیہ کا ”فرض و فعل“ سمجھا گیا ہوگا۔

نیز یہ کہ آپ اپنے خط کے مندرجات سے خود بھی مطمئن نہیں، اور اس کا واضح ثبوت آپ کے خط کے یہ الفاظ ہیں، جس میں مشورہ دیتے ہوئے آپ مجھے لکھتے ہیں کہ:

”اس کڑوے خط کی سچائیوں کو قبول کرتے ہوئے اور اس خط کو عام میں اشتعال دلانے کے لیے استعمال نہ کرتے ہوئے میرے مناظرے کی دعوت کو قبول کریں۔“

لہذا آپ کو بخوبی اندازہ ہے، کہ آپ نے آں حضرت ﷺ اور اہل اسلام پر بے بنیاد اور حق پوشی کرتے ہوئے، اشتعال دلانے والی باتیں کی ہیں۔

اگر آپ اپنے عقائد و نظریات میں حق بجانب ہوتے، تو اپنے خط کی ہر بات کو دلائل و براہین سے ثابت کرتے، تاکہ، اپنے خط میں، عیاری، مکاری، کم ظرفی، منافقت، منافق

اور اس سے ملتے جلتے الفاظ لکھ کر مغلفات کہتے، ویسے بھی مذہبی عہدوں پر فائز لوگوں کے منہ سے ایسے الفاظ کی ادائیگی، ان کے شایانِ شان نہیں ہوا کرتی۔

رہا آپ کا یہ فرمان کہ:

”ہم تعصب کی لغتی بیماری سے نجات حاصل کرتے ہوئے اور C-295 جسے کالے

قوانین کا خاتمے کے لیے مل کر آواز اٹھائیں اور ایک دوسرے کے مذہب کی عزت

کرتے ہوئے مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیں اور اس ملک میں اقلیت اور اکثریت مل جل

کر ہر امن طور پر بھائیوں کی طرح رہیں اور دوسروں کے لیے ایک مثال بنیں۔“

بحیثیتِ نو مسلم میرے تجربے اور مشاہدے کی بات ہے، کہ اس ملک پاکستان میں جس قدر ”مذہبی آزادی“ کے ساتھ مسکنی اقلیت ”امن اور سلامتی“ کے ساتھ رہ رہی ہے، اس کی مثال ملنا مشکل ہے، دور نہ جائیں پڑوسی ملک بھارت میں، کتنے ہی چرچوں پر ہندو جنونیوں نے حملے کر کے آگ لگائی، کتنے ہی حملے مسیحی مشنریوں کی خواتین غر اور پادریوں پر ہوئے، اور بعض وہ مشنری پادری جو بھارت میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ مقیم تھے، ان پر بھی ہندوؤں نے حملے کیے، ان کے گھروں کو آگ لگائی، اور خود ان اور ان کے بیوی بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ان حقائق کو تو آپ مجھ سے بھی زیادہ اچھی طرح جانتے ہونگے۔

مگر اس ملک پاکستان میں امن و سلامتی کے ساتھ رہنے کے باوجود، آپ اہل اسلام کے مذہبی جذبات کو محجور اور ان میں اشتعال انگیز باتیں کرنے سے باز نہیں آتے، کیا یہ اہل اسلام کی اعلیٰ رواداری کا ثبوت نہیں، کہ ان تمام باتوں کے باوجود آپ لوگ پاکستان میں ”امن و سلامتی“ کے ساتھ رہ رہے ہیں، اور ”امن و سلامتی“

کے ساتھ اپنی صبح و شام کرتے ہیں،

آپ مجھے مناظرے کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ:

”میرے مناظرے کی دعوت کو قبول کریں، بیشک آپ اپنی مرضی کے مطابق وقت اور

مقام کا تعین کریں۔“

جناب بشارت صاحب! مجھے آپ کے مناظرے کی دعوت قبول ہے، اور میرا موضوع، ان شاء اللہ تحریف بائبل ہوگا، اور آپ پر بحیثیت مسیحی لازم ہوگا، کہ آپ بائبل کو الحاق و ترمیم اور تحریف سے مزین ثابت کریں، اس مناظرے کے لیے ”مقام“ مرکز تحقیق اسلامی جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ لاہور ٹھیک رہے گا، ”وقت“ کے تعین کا اختیار اور حق بھی گو کہ آپ نے مجھے دیا ہے، مگر اس ”حق“ کو میں آپ کے لیے چھوڑتا ہوں، کہ اس مناظرے کے وقت کا تعین آپ کر لیں، اور مناظرے کی ”تاریخ مقررہ“ سے ایک ماہ پیشگی مجھے مطلع فرمائیں۔

خالد محمود

سابق پبلیک کنڈن

موبائل: 0333-2248477

مطابق ۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ، ۴ مارچ ۲۰۱۰ء

بشپ پیر مجید صاحب کی مغالطہ آفرینی

معزز قارئین گزشتہ صفحات میں آپ بشپ پیر مجید صاحب کے خط کے حوالے سے اس ہندو فقیہ کی گزارشات پڑھائے ہیں، جس کے آخر میں، میں نے بشپ پیر مجید صاحب کے مناظرے کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے، اس مناظرے کے لئے ”مرکز تحقیق اسلامی جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ“ کو نوٹس لکھا، گو کہ بشپ مجید صاحب نے مناظرے کا مقام و وقت کے تعین کا اختیار بھی مجھے دیا تھا۔ مگر یہ اختیار احقر نے پیر مجید صاحب کو دیتے ہوئے لکھا ہے کہ پیر مجید صاحب احقر کو مناظرہ کی تاریخ مقررہ کرنے ایک ماہ قبل مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ احقر مقررہ وقت پر مقام مناظرے پر پہنچ جائے گا۔

چنانچہ میری جانب سے بشپ پیر مجید صاحب کے مناظرے کی ”دعوت قبولیت“ کو حضرت مولانا عبدالرؤف فاروقی کے زیر نگرانی لے کر جب حضرت مولانا اکرام اللہ جان صاحب بشپ پیر مجید صاحب کے پاس مردان مناظرے کے دیگر امور طے کرنے کیلئے پہنچے ہیں تو مولانا اکرام اللہ جان صاحب کی بشپ پیر مجید صاحب سے ملاقات پر بقول بشپ پیر مجید صاحب حلوم ہو کہ یہ خط انہوں نے نہیں بلکہ ان کے والد مجید صاحب نے تحریر کیا تھا اور اب ان کا انتقال ہو گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بشپ پیر مجید صاحب کا یہ کہنا کہ اس خط کے لکھنے والے موصوف خود نہیں بلکہ ان کے والد ہیں۔ چند وجوہات کی بنا پر غلط ہے۔
اول یہ کہ اگر یہ خط ان کے والد مجید صاحب نے لکھا تو اس خط پر بیٹے پیر مجید صاحب کا نام کیوں درج ہے، ناصح نام درج ہے بلکہ بیٹے پیر مجید صاحب کی میل ایڈریس اور ویب سائٹ بھی موجود ہے اور اس ویب سائٹ پر وزٹ کریں تو 30/05/2015 سالہ پیر مجید صاحب چرچ کی مختلف تقریبات میں مصروف عمل نظر آتے ہیں۔

مگر حقیقت حال یہ ہے کہ پیٹر مجید صاحب اپنے حلقہ میں ایک
متنازعہ شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ اس توہین آمیز خط سے دست کش ہوا چاہتے
ہیں۔ اور اس خط کو اپنے والد انجینیئر مجید پاشا کے کھاتے میں ڈال کر مناظرے سے
راہ فرار چاہتے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو ایشپ پیٹر مجید صاحب میرے موبائل
0333 2248477 پر مجھ سے رابطہ کریں تاکہ حق اور سچ میدان مناظرہ میں
دنیا کے سامنے آجائے۔

اور اگر واقعی ایشپ پیٹر مجید صاحب میدان مناظرہ میں تشریف نہیں لانے
چاہتے تو ایک بات ان کی خیمہ خواہی کے لئے عرض کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ حیات
انسانی پر وقت بہت تھوڑا ہے اور فی الوقت جو جان حیات ہے اس کے لئے "مہلت"
ہے۔ صراطِ مستقیم پر آنے کی، اور یہ "مہلت" بہت جلد انسان کی قیامتِ صغریٰ کے
ساتھ ختم ہو کر پھر جلد "قیامتِ کبریٰ" کے ساتھ ایک نئی حیات لے کر اللہ تعالیٰ کے
سامنے سوال و جواب کے لئے کھڑی ہو جائیگی، جہاں دو باتوں پر جانِ خلاصی پائے گی۔
اول: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور دوم: آقا و جہاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان کی وجہ سے۔
وَمَا كُوفِيهِ إِلَّا بِاللَّهِ

خالد محمود سابق ٹیبل کزن

۲۶ شعبان ۱۴۳۱ھ
۴ اگست ۲۰۱۰ء

مؤلف کی دیگر کتب

”انجیل برناباس“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری حضرت برناباس کی انجیل ہے جس میں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک کی بشارات اور توحید باری تعالیٰ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فکر انگیز تعلیمات و ارشادات موجود ہیں۔ نو مسلم خالد محمود نے انجیل برناباس کے سلاطین کے اردو نسخہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور انجیل برناباس کی تاریخی اور انماوی حیثیت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی حقائق پر مبنی تحریر ”مقدمہ کی شکل میں اس کتاب کے شروع میں جمع کیا ہے۔

”اسلام عیسائیت اور سدا علیہ السلام“

عیسائیوں کے مبشر پادری شیخون ناصر کی طرف سے نو مسلم خالد محمود کو ایک عامیاناہ اور سوتیلیاں لکھے گئے خط کے جواب میں دلائل سے لکھی گئی ایک دعوت حق، جس میں نو مسلم خالد محمود کے قبول اسلام کے حالات بھی درج ہیں۔

”تحفہ نصرانیت“

دین اسلام سے پھر جاننے والے ”مزد“ مبشر صدیق پال کی کتاب ”عیسائیت اور مسیحیت تحقیق کی نظر میں“ کے جواب میں نو مسلم خالد محمود کی تحریر ”تحفہ نصرانیت“ جو مزید مبشر صدیق پال کی تمام مغالطہ آفرینوں کا کافی جواب ہے۔

وَالسَّلَامُ
عَلَيْهِ
صَلَّى اللّٰهُ

فَارِْقَلِيط

مردانِ لوطقرن چرخ کے تشبیب پیر مجید کے توہین آمیز
خط کا جواب نو مسلم خالد محمود (سابق یوٹیل کنڈن) کے قلم سے

مذتبہ :
جناب خالد محمود صاحب
(سابق یوٹیل کنڈن)



وَالسَّلَامُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

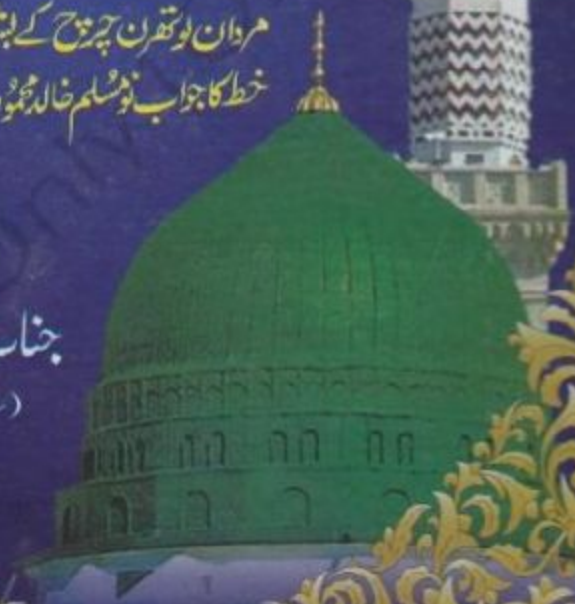
فَارِقِط

مردانِ بوقتِ چرخ کے ایشیپ پیر مجید کے توہین آمیز
خط کا جواب نو مسلم خالد محمود (سابق یوٹیل کنڈن) کے قلم سے

مردنبہ :

جناب خالد محمود صاحب

(سابق یوٹیل کنڈن)



منحمنّا

آرامی زبان میں اصل لفظ جو حضرت عیسیٰ نے اپنے بعد میں آنے والے جہانوں کے سردار کیلئے استعمال کیا تھا، جسے سن کو یوحنا نبی نے اسے اپنی انجیل، انجیل یوحنا میں نقل کیا ”منحمنّا“ ہے جس کا لغوی ترجمہ عربی میں ”محمد ﷺ“ اور ”احمد ﷺ“ ہے اور یونانی میں ”فرقلیطس“ (Periclytos) ہے۔ جس کے تلفظ کا فائدہ اٹھا کر مذہبی تعصب نے اس میں معمولی سے تحریف کے ساتھ اس کو (Paracletus) بنادیا جو ایک کثیر المعنی لفظ ہے۔ جو رب کے حضور دعا کرنے والے، کے علاوہ ”نذیر“ ”مددگار“ اور تسکین بخشنے والا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

ہاموں رسول اور قانون تاجین رسالت: مصنف محمد اسماعیل قریشی ایڈیٹر ایڈوکیٹ چیمبر کورٹ پاکستان ملٹی فہر ۵۶

فائدہ

مکتبہ سعد بن ابی وقاص کراچی